ہارون یحییٰ

پروفیسر محمد افروز قادری مختار ہاشمی

دلاص کالج کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ

اہل سنت کا مقام ومرتبہ

THE IMPORTANCE OF THE AHL AL-SUNNAH

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (سورۃ الاعراف:۷/۱۵۷)

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول-صلی اللہ علیہ وسلم-کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں، جن (کے اوصاف وکمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں اور ان کی تعظیم وتوقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد ونصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، تو وہی لوگ درحقیقت فلاح پانے والے ہیں۔

اَہلسنّت کون؟

WHO ARE THE AHL AL-SUNNAH?

اہل سنت کہے جانے کے مستحق درحقیقت وہی مسلمان ہیں جن کا عقیدہ وعمل، قرآن وسنت کا آئینہ دار ہو۔ محض عقائد اہلسنّت سے بہرہ مندی ہی دائمی نجات اور معرفت الٰہی کی جانب راہنمائی کرسکتی ہے۔ شاہراہِ سنت پر پامردی سے قائم رہنے کے لیے معرفت نبوی، اتباع رسالت اور احکام قرآنی کے سانچے میں ڈھل جانے کے ساتھ ساتھ ہمارے اور سنت کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھنے والے صحابہ کرام کی روش پر گامزن ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔ نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-نے اپنے صحابہ کے مقام ومرتبہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے سوا سبھی جہنمی ہوں گے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ! وہ نجات یافتہ فرقہ کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ کاربند ہیں۔ (الترمذی)

نجات پانے والا فرقہ ''فرقہ ناجیہ'' نیز ''اہلسنّت وجماعت'' کے نام سے بھی مشہور ومعروف ہے۔

تعلیمات قرآن وسنت کے مطابق مرتب کردہ عقائد واعمال پر جملہ مکتب ہائے فکر متفق ہیں۔ یہ مکاتب فکر ان تعلیمات کی تفہیم وتشریح میں جدوجہد سے کام لیتے ہیں اور رضائے الٰہی اور سنت نبوی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

اہل سنت کی تعریف کے ساتھ لفظ سلف سے ماخوذ سلفیت کی تشریح بھی ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ ''سلف'' ایک ایسا لفظ ہے جس سے رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کے وہ صحابہ موسوم کیے جاتے ہیں جنھوں نے احسن طریقے پر رسول اللہ کی اتباع کی نیز وہ لوگ بھی مراد ہوتے ہیں جنھوں نے ان صحابہ کی پیروی کی۔ مختلف عقائد کے حامل مکاتب فکر کے ابھرنے سے پہلے جملہ اہل اسلام اسی عقیدۂ سلف پر کاربند تھے۔ بالفاظِ دیگر اسے اصحاب کرام اور تابعین عظام کا عقیدہ کہا جا سکتا ہے۔ سلف کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو ہو بہو قبول کرتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماتریدیہ اور اشعریہ کے نام سے دو مکاتب فکر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔

مکتب ماتریدیہ کے بانی امام ابو منصور الماتریدی ہیں جو ۲۳۸ھ۔(۸۵۲ء) میں سمرقند کے ماترید نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۳۳ھ۔(۹۴۴ء) میں سمرقند ہی کے اندر وصال فرمایا۔ ان کا اصول تخریج یہ تھا کہ وہ نقل کے ساتھ عقل کا بھی استعمال فرماتے، اور بوقت ضرورت آیات و احادیث کی عقلاً ترجمانی بھی کرتے تھے۔ احناف اور اتراک کی اکثریت انہی کی مقلد ہے۔

مکتب اشعریہ کے بانی امام ابوالحسن الاشعری ۔۲۶۰ھ (۸۷۳ء) میں بصرہ کے اندر پیدا ہوئے، اور ۳۲۴ھ۔(۹۳۶ء) میں بغداد کے اندر انتقال فرمایا۔ ان کا سلسلہ ابو موسیٰ الاشعری صحابی سے جا ملتا ہے۔ ان کا مکتب 'اشعریہ' کے نام سے چہار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ چوں کہ فقہ میں یہ شافعی المسلک تھے اس لیے ان کا مذہب زیادہ تر شافعیوں کے درمیان مقبول و مروج ہوا۔ مالکیوں نے بھی ان کے نقطۂ نظر کو اپنایا۔ ماتریدیہ اور اشعریہ مکاتب فکر کے درمیان کوئی زیادہ نہیں محض چند مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ماتریدیہ اور اشعریہ مکاتب فکر اہلسنّت کے عقائد کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مرورِ ایام کے ساتھ اور بھی بہت سے مکاتب فکر نے جنم لیا ہے مثلاً خوارج، معتزلہ، مرجیہ، جبریہ اور مشبہہ وغیرہ۔ آگے چل کر ان کی بھی بہت سی شاخیں نکلیں مگر ان کا جماعت اہلسنّت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

جماعت اہلسنّت کے دائرۂ اعتقاد میں رہنے والے تمام مکاتب فکر برحق اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ ان کے درمیان اختلافات کسی فتنے کا باعث نہیں بلکہ یہ اختلاف تو باعث رحمت ہیں۔ لہٰذا ان مکاتب فکر میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مبنی برحق خیالات و نظریات کا احترام کرنا چاہیے۔

اسلامی فقہ و اعتقاد کے میدان میں ابھرنے والے یہ برحق مکتب ہائے فکر قرآن و سنت کے احکام پر عمل پیرا ہیں لہٰذا انھیں کسی نئے دین کا نمائندہ نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ درحقیقت یہ وہ شعبے ہیں جو اخلاق و تعلیم اور احکام دینیہ کے میدانوں میں اسلام کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ دراصل اسلام کے سچے مظاہر ہیں۔ وقت کے تقاضوں کے تحت وہ ابھر کر سامنے آئے ہیں، اور ان سب کی اساس قرآن و سنت ہی پر استوار ہے۔

اہل اسلام کو اپنے ایمان وعقیدہ کی طرح اسلامی فقہ واخلاق پر مکمل تحقیق وتجسس کرنی چاہیے کیوں ہر ایک دوسرے کا جز اور اس کا تکملہ ہے۔ علم فقہ انسان کو زندگی کے مختلف مراحل میں کارآمد اور بے سود اشیا کی پرکھ کے قابل بنا دیتا ہے۔ دین کی بنیاد عقیدہ، مذہبی پابندی اور اخلاق حسنہ پر اٹھائی جاتی ہے۔

قرآن اہل ایمان سے اتباعِ رسول کا مطالبہ کر رہا ہے

BELIEVERS ARE TOLD IN THE QUR'AN TO OBEY THE SUNNAH OF THE PROPHET (ﷺ)

سنت قرآن کا ایک اٹوٹ حصہ ہے کیوں کہ بے مثال اسوۂ حسنہ کے حامل رسول اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- قرآن کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ جو اپنے امتیوں کی بابت ایسے متفکر رہتے تھے کہ ان کی تکلیف سے انھیں رنج ہوتا تھا۔ اور ان سے ان کے بوجھ اتارنے اور انھیں مصائب وآلام کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے خواستگار رہتے تھے۔

سنت کے بغیر قرآن کو نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اپنی زندگی میں اسے عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو آپس میں اخوت ومحبت، خوش گفتاری اور عفت وپارسائی کی ہدایت فرمائی ہے۔ یوں ہی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور عالم انسانیت تک اسلام کے اخلاقی اقدار کی پیغام رسانی بھی اہل اسلام کا فرض منصبی ہے۔ طہارت ان پر فرض قرار دی گئی ہے، نیز قرآن کریم نے ان مسائل کو اپنے مخصوص انداز میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ساتھ ہی اہل اسلام پر مثالوں کے ذریعہ یہ حقیقت بھی آشکار کر دی گئی ہے کہ وہ ان احکام کو بطریق احسن سر انجام دینے کے لیے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اسوۂ حسنہ کو مدنظر رکھنا نہ بھولیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

(سورۂ احزاب: ۳۳/۲۱)

بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- جملہ عالم انسانیت کے لیے ایک بہترین عملی نمونہ ہیں، اہل اسلام آپ کی سنتوں کو نہ صرف جائزہ لیتے ہیں بلکہ آپ کے اقوال وافعال کو اپنی زندگیوں میں اتارنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ بلاشبہ سنتوں پر گہری نظر رکھنے والا پکار اٹھے گا کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے امت کے لیے ہر میدان میں نقوش ہدایت چھوڑے ہیں نیز انھیں ایک مسلمان کے شایانِ شان عمل کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی پوری زندگی متانت وسنجیدگی اور احساس ذمہ داری کی آئینہ دار رہی ہے جس میں زندگی کا کوئی گوشہ کسی بھی اعتبار سے تشنہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا

اپنی امت کو قرآن کے ساتھ حکمت کی تعلیم کرنے کا نتیجہ ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ o (سورۂ آل عمران:۳/۱۶۴)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

ترک سنت کی شامتیں

THE DANGER OF ABANDONING THE SUNNAH

(یہ ایک حقیقت ہے کہ) ترک سنت کے باعث دین ہاتھ سے نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک رسی کی قوت یکے بعد دیگرے ٹوٹنے سے جاتی رہتی ہے اسی طرح ایک ایک کر کے سنتیں چھوٹنے سے دین بھی جاتا رہتا ہے۔ (الدارمی)

تاریخ اسلام میں بہت سی بدعتوں نے جنم لیا ہے اور بہت سے فرقوں نے اسلام کی اصل تعلیمات سے روگرداں ہو کر مبتدعانہ عقائد اور غیر اسلامی اعمال اپنالیا ہے۔

عصر حاضر میں بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی سنتیں یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ "قرآن ہمارے لیے کافی ہے۔ اور اس کی تعبیر کے لیے ہمیں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ترجمانی کی چنداں حاجت نہیں"۔ انھوں نے سنتوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے حالاں کہ یہ تو قرآن کریم کی عملی تعبیر وتشریح ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ ان تارکین سنت نے احکامات قرآنی کو نظر انداز کر رکھا ہے حالاں کہ سنت تو قرآن کی تشریح ہے اور اس سے اہم بات یہ کہ قرآن خود اتباع سنت کا حکم صادر فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف قرآن کریم کے احکامات کی بجا آوری بلکہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اتباع کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام پر عمل محض سنت پر عمل پیرا ہونے ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔ اور محض اسی کی مدد سے قرآن کے احکامات کو اپنی عملی زندگی میں اتارا جا سکتا ہے۔ نیز دوسری طرف اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ سنت' نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی مستند احادیث کا مجموعہ اور اس حوالے سے متاخرین علمائے اسلام کی ترجمانیوں کا نتیجہ ہے۔

اتباعِ رسول کا مطلب اتباعِ سنت ہے

Complying with the Sunnah means obeying the Prophet(ﷺ)

مندرجہ ذیل آیت میں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی شان عظمت بیان کرتے ہوئے اہل اسلام پر آپ کے اسوۂ حسنہ کی غیر معمولی اہمیت اجاگر کی گئی ہے :

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّ مُبَشِّراً وَّنَذِيْرًا o لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوهُ وَ تُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّ أَصِيْلاً o إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوقَ أَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ مَنْ أَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا o (سورۂ فتح:۸تا۱۰)

بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ فرمانے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ ہی) صبح و شام اللہ تعالی کی تسبیح کرو۔ (اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا اور جس نے (اس) بات کو پورا کیا جس (کے پورا کرنے) پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ مزید پروردگار عالم یہ بھی فرماتا ہے :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ o (سورۂ نساء:۴/۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اس آیت کریمہ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اتباع رسول کی کتنی اہمیت ہے کہ اسے تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ کیوں کہ آپ کی حیثیت ایک نمونہ کامل اور آپ کی شناخت ایک قانون ساز کے طور پر ہے۔ قرآن کی رو سے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے احکام و اوامر کی اتباع و پیروی ایسے ہی فرض ہے جس طرح کتاب اللہ کے احکامات کی۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے نبی مختار -علیہ السلام- کے امر و نہی کے اختیار و قوت کو دوٹوک انداز میں یوں بیان فرمایا ہے :

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَ الْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَ الْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (سورۃ الاعراف:۷/۱۵۷)

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں، جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، تو وہی لوگ دراصل فلاح پانے والے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے :

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ o (سورۂ حشر: ۵۹/۷)

اور جو کچھ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں عطا فرمائیں سو اسے لے لیا کرو اور جس سے تمھیں منع فرمائیں سو (اس سے) رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔۔۔

ان آیتوں سے یہ حقیقت دن کے اُجالے کی طرح کھل کر سامنے آگئی کہ قرآن کی حرام کردہ چیزوں کے علاوہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- اپنی اُمت کے لیے جس چیز کو چاہیں حرام فرما سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو کرنے سے میں نے تمھیں روک دیا ہے اس سے رُک جاؤ، اور جس کو کرنے کا تمھیں حکم دیا ہے اس کو بہتر طریقے پر کرنے کی کوشش کرو۔ (صحیح مسلم: ۳۰ حدیث: ۵۸۱۸)

دوسری آیتیں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو ایک قانون ساز کا رول ادا کرتی دکھارہی ہیں کہ اہل اسلام اگر کسی مسئلہ میں اُلجھ پڑیں تو اس کے تصفیے کے لیے وہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی بارگاہ میں حاضر ہوں کیوں کہ اس کا بہترین حل وہیں سے نکالا جا سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنُ تَأْوِيْلاً o (سورۂ نساء: ۴/ ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبانِ امر کی۔ پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کر بیٹھو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

آپ ذرا دیکھیں کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا مقام ومرتبہ ایک قانون ساز کے طور پر کیسا ارفع واعلیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آپ کے حکم وفیصلہ کو کشادہ قلبی کے ساتھ بےچون وچرا مان لینے کا حکم دے رہا ہے۔

فَلاَ وَ رَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا o (سورۂ نساء: ۴/ ۶۵)

پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم نہ بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرماں برداری کے ساتھ قبول نہ کرلیں۔

ایک دوسری آیت میں آقاے رحمت -صلی اللہ علیہ وسلم- کے قوت فیصلہ کی قطعیت کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَعْصِ

اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا o (سورۂ احزاب:۳۳/۳۶)

اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لیے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو بطور قانون ساز نہ ماننا اور اُن کے احکام سے روگردانی کرنا ہی کفر کی طرف لے جانے کا سبب ہے:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا o (سورۂ نساء:۴/۱۱۵)

اور جو شخص رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے قانون ساز ہونے اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے بلند مقام کو قرآن میں ایسے واشگاف اور واثق انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ آپ کی سنت سے انحراف کا مطلب قرآن کی مخالفت ہے۔ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے کیے ہوئے ہر عمل اور اُن کے نافذ کردہ ہر اصول کی اتباع میں اسلام کی فرماں برداری پنہاں ہے۔ اور ان کی سنتوں سے منہ موڑنا اصل اسلام سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔

یہ ایک سچائی ہے کہ صحابۂ کرام کی زندگیاں اور ان کے جملہ اقوال و افعال قرآن اور سنت نبوی کے مکمل آئینہ دار تھے۔ ایک صحابیِ رسول کا یہ ایمان افروز اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو ایسے وقت میں مبعوث فرمایا جب ہم کچھ نہ جانتے تھے۔ پھر کیا تھا ہم نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو اپنا پیشوا و مقتدا جان کر ان کو جو کچھ کرتے دیکھا اسی طرح ہم خود بھی کرنے لگے۔ (سنن نسائی: ۵/۳۱۰ حدیث: ۱۴۱۷- باب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر ا)

لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ "سنتوں کو بالائے طاق رکھ کر محض قرآن کی طرف رجوع لانے والا" نظریہ سراسر اسلام مخالف اور مبنی بر جہالت ہے۔ اس نظریہ کے حاملین کو اُن لوگوں کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے جو اس بنیادی کلید ہی کو استعمال نہیں کرنا چاہتے جس سے دروازۂ محل میں داخلہ ممکن ہو سکے۔ (شاید انھیں نہیں معلوم کہ) سنتوں پر عمل پیرا ہونا نجات کے لیے وسیلہ عظمیٰ ہے۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ جنت اور سنت کی مثال بالکل یکساں ہے، کیوں کہ جو لوگ آخرت میں دخول جنت کے حقدار ٹھہرے وہ تو حفظ وامان میں رہے۔ اسی طرح جن خوش بختوں نے اس دنیا میں خود کو سنت کے سانچے میں ڈھالے رکھا وہ بھی

ہر طرح محفوظ و مامون رہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۶۵)

حضرت امام مالک سنت کو کشتی نوح سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو اس پر سوار ہو گیا وہ تو بچ گیا اور جو نہ چڑھا وہ غرق آب ہوا۔ (مفتاح الجنۃ للسیوطی: صفحہ ۵۳ تا ۵۴)

سنت نجات کے لیے کیسا عظیم ترین وسیلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے امر و نہی سے ''حیات جاودانی'' نصیب ہونے کی بشارت عطا فرما رہا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○ (سورۂ انفال: ۸/۲۴)

اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں کسی کام کے لیے بلائیں جو تمھیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہو تو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماں برداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو، اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان (شانِ قربت خاصہ کے ساتھ) حائل ہوتا ہے اور یہ کہ تم سب (بالآخر) اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

اسلام قرآن اور سنت نبوی کا سنگم ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنا تو دور اُس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کے مثالی کرداریوں ہی آپ کی دانش و بینش کو ہم تک پہنچانے والا وسیلہ صرف سنت ہے اور یہی عقیدۂ اہلسنّت ہے۔ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- اہل اسلام کو جاوداں زندگی بخشنے والے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○ (سورۂ انفال: ۸/۲۴)

اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں کسی کام کے لیے بلائیں جو تمھیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہو تو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماں برداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو، اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان (شانِ قربت خاصہ کے ساتھ) حائل ہوتا ہے اور یہ کہ تم سب (بالآخر) اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

اسلامی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی کا آغاز پیغمبروں کی بعثت سے ہوا۔ یہ شہادت مبنی بر صداقت ہے کیوں کہ پیغمبر کی عدم موجودگی میں کسی بھی دین کو نہ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اسے عملی طور پر نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے ہر امت کی راہ نمائی کی خاطر ایک پیغمبر مبعوث کیا گیا۔

دوسرے پیغمبروں کی طرح اللہ تعالیٰ نے محسن کائنات -صلی اللہ علیہ وسلم- کو بھی مکمل دین اور صراطِ مستقیم کے ساتھ مبعوث فرمایا، مگر آپ کی رسالت کا سکہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے اور پابند سنت رہنے کے ساتھ ساتھ آپ کی فرماں برداری، عزت و توقیر اور محبت و عقیدت بھی ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔

بلاشبہ قرآن کریم میں رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے برابر تصور کی گئی ہے ۔ اور اہل اسلام کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اپنے مختلف فیہ مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل تلاش کریں ۔ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل فرمان صادر کیا گیا ہے :

فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا o (سورۂ نساء: ۶۵/۴)

پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم نہ بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرماں برداری کے ساتھ قبول نہ کرلیں ۔

اس آیت سے پورے طور پر واضح ہوگیا کہ سنت نبوی احکام کا ایک مطلق اور یقینی وسیلہ ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر وترجمانی اور عملی نفاذ کیا جاسکتا ہے ۔ لہٰذا کسی مسلمان کو قرآن وسنت کی منشا کے خلاف اپنی طرف سے تاویل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے :

وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لاَ مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِیْنًا o (سورۂ احزاب: ۳۶/۳۳)

اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرمادیں تو ان کے لیے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا ۔

اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت کریمہ میں فرماتا ہے :

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (سورۂ نور: ۵۱/۲۴)

ایمان والوں کی بات تو فقط یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا، اور ہم اطاعت پیرا ہوگئے، اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔

قرآن میں اتباع رسول کے حوالے سے پیش کی گئی ہر آیت اعلان کرتی ہے کہ ایسا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے کیوں کہ رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– کا ہر عمل اپنا جواب آپ اور نگرانی قدرت کے تحت سرانجام پاتا ہے ۔ بالفاظِ دیگر اس کی تعبیر یوں بھی ہوسکتی ہے کہ سنت کی اساس وحی الٰہی پر استوار ہے :

وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحْیٌ یُّوْحٰی o (سورۂ نجم: ۳/۵۳ تا ۴)

اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے، ان کا ارشاد سراسر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اختلافات سر اٹھائیں تو ان کی تحلیل کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع لانا اہل اسلام کا فریضہ ہے کیوں کہ اسلام کے یہی دو بنیادی ماخذ ہیں :

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً o (سورۂ نساء ۵۹/۴)

پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کر بیٹھو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– نے امت تک صرف وحی الٰہی پہنچانے کا فریضہ ہی سر انجام نہیں دیا بلکہ آپ نے اس کی تشریح و توضیح بھی فرمائی ہے؛ اس لیے سنت کو ترجمانی قرآن کہنا چاہیے۔ صرف یہی نقطۂ نظر، فتنہ، غلط فہمی اور تحریف و تبدیل سے تحفظ فراہم کر کے اس کی تفہیم کو آسان تر کر سکتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (سورۂ آل عمران: ۳۱/۳)

(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی ایک نشانی اتباع رسول ہے، اور اس کا مطلب اطاعت الٰہی ہے۔ کوئی بھی اہل ایمان اتباع رسول کو ترک کر کے محض اللہ کی اطاعت کو کافی قرار نہیں دے سکتا۔ سنت پر جادہ پیما ہونے والوں کو زبانِ رسالت سے یہ خوش خبری دی جا رہی ہے :

میری سنت کو زندہ کرنے والے یقیناً میرے عاشق ہیں اور مجھ سے محبت کرنے والے جنت میں میرے ساتھ ہوں گے۔ (الترمذی: ۱۸۹/۹ حدیث: ۲۶۰۲)

جہاں رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– سنت پر عمل پیرا ہونے والوں کو یہ خوش خبری سناتے ہیں وہیں دوسری طرف اللہ تعالیٰ قرآن میں رسول کریم –صلی اللہ علیہ وسلم– کی مخالفت کرنے والوں کو خوف ناک نتائج بھگتنے کا اعلان کرتا ہے :

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ o (سورۂ نساء: ۱۴/۴)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت انگیز عذاب ہے۔

ان سب فضائل و دلائل کے باوجود اگر کسی پر سنت کی اہمیت اجاگر نہ ہو اور وہ اس پر نقد و جرح کرنے پر تلا ہوا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ براہِ راست رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– کی مخالفت اتر آیا ہے۔

تاجدار حرم –صلی اللہ علیہ وسلم– کے اقوال و افعال تمام انسانیت کے لیے ایک نمونہ کامل کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کو اللہ

تعالیٰ نے قرآن کریم میں "خلق عظیم" سے تعبیر فرمایا ہے اور حضرت عائشہ -رضی اللہ عنہا- نے اُن کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا اخلاق قرآن تھا۔ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کو بطورِ نمونہ تسلیم کیے بغیر نہ تو اس دنیا میں کوئی حقیقی خوبی حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ ہی آخرت میں کسی کامیابی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ سچ پوچھیں تو تارکین سنت ایک عظیم اَجر سے ہاتھ دھوبیٹھیں گے اور عرصہ محشر میں سرکار کی شفاعت سے محرومی اس پر مستزاد ہوگی۔ مزید برآں اپنی امت پر ہزار درجہ شفیق اور ان کے مشکل کشا -علیہ السلام- کی سنت سے انحراف ایک عظیم نعمت کی ناشکری کی غمازی کرتا ہے :

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔

(سورۂ توبہ:۹/۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب اور آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

وہ لوگ جو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اعمال کی بابت غلط نظریات میں الجھے ہوئے ہیں وہ ان کے کردار کے صحیح عرفان سے قاصر ہیں۔ ان پر عائد کردہ فریضہ کے لیے ایک ایسی عظیم احساس ذمہ داری ناگزیر ہے جس میں ادنیٰ سی غفلت کو بھی روا نہیں رکھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے تجارت سے لے کر صحت اور اتحاد سے لے کر تعلیم تک کے مختلف موضوعات پر ہمیں ایک بے بہا سرمایہ عطا فرما دیا ہے۔

سنت کا بنیادی اصول اس کا عملی نفاذ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے، ان سے سختی نہ برتی جائے، خوش خبری دی جائے اور نفرت نہ پھیلائی جائے۔ (صحیح بخاری ۴/۵۷ حدیث:۲۷۵)

یہ حدیث اس بات کا واضح ترین ثبوت ہے۔ آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ -رضی اللہ عنہا- فرماتی ہیں کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اہل اسلام کو وہ کچھ کرنے کا حکم دیا جس کی تکمیل بآسانی ممکن ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہر کوئی سنت پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ ہر مسلمان کے واسطے اپنی روزمرہ زندگی کو قرآنی سانچے میں ڈھالنے کے لیے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی حیات طیبہ بہترین نمونہ ہے۔

تارکین سنت ایک انتہائی بھیانک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے اپنی جہالت یا نا اہلی کے باعث اسلامی دنیا پر اس بدعت سیئہ کو تھوپ دیا ہے جس کی بنیاد علوم اسلامی سے بے بہرہ حضرات کی قیاس آرائیوں یا اقتدائے سنت کی بجائے اپنی تاویلات پر رکھی گئی ہے۔

اسلامی دنیا کا سیاسی اور اقتصادی تنزل سنت نبوی اور احکام قرآنی سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔ زوال کا سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا جب تک ان کے دل و دماغ میں یہ بات نہ اتر جائے کہ وہ نہ صرف رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے امتی ہیں بلکہ وہ اپنے عمل سے ان کے امتی ہونے کا ثبوت بھی پیدا کر دیں۔ مسلمانوں کی ترقی کا واحد راز یہی ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبوی کی ڈور کو مضبوطی سے تھام لیں۔

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے منکشف ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی متنوع پہلو رکھتی ہے۔ مثلاً بہت سی مستند احادیث میں پیغمبر، حاکم، کمانڈر، سپاہی اور تاجر کی حیثیت سے آپ کے مختلف شعبہ ہائے حیات کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، شب بیداری کرتے، فکر و تدبر، یادِ الٰہی اور دعاؤں میں محو رہتے تھے۔ ایک طرف جہاں آپ کی حیثیت ایک پا کباز قائد کی ہے وہیں آپ شادی بیاہ، خرید و فروخت، مریضوں کی عیادت و معالجہ، بچوں سے مزاح، دوستوں سے کشتی رانی اور بیوی کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ بھی کرتے نظر آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی حیات طیبہ کو سامنے رکھ کر ہی ایک مسلمان اللہ کے بندے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی نباہ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں دائرۂ معلومات وسیع کرنے کے لیے صحیح بخاری و مسلم اور دوسرے مستند محدثین کی عظیم تالیفات کا مطالعہ نفع رساں ہوگا۔ بعثت نبوی کے بعد آشکار ہونے والے خصائل و شمائل اور آپ کے اقوال و افعال کے ضخیم مجموعے ان مستند رواۃ کی کڑی نگرانی میں مرتب کیے گئے ہیں جو علماے اہلسنّت کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔

اعتقادِ اہلسنّت اور اُن کے خصائص

THE BELIEF (I`TIQAD) AND ESSENTIALS OF THE AHL AL-SUNNAH

خیر القرون اور خلفاے راشدین کے ادوار میں کسی مذہب کی کوئی ضرورت نہ تھی کیوں کہ اس وقت لوگ براہِ راست معلم کائنات -صلی اللہ علیہ وسلم- اور صحابہ کرام سے اپنی تشنگی علم بجھالیا کرتے تھے۔

غیر اسلامی عقائد و نظریات (بدعات) پر مبنی مبتدعانہ تحریکات اور فرقہ وارانہ اختلافات کے سر اٹھانے کے باعث رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- اور صحابہ کرام کے سچے وارثین علماے حق نے عقائد و اعمال کی پرکھ کے لیے کئی اصول مقرر فرمائے۔ حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتے ہوئے اسلام کو اس کی خالص شکل میں عوام الناس کے سامنے پیش کر دیا۔ جماعت اہلسنّت اسی طرح کی کوششوں کے نتیجے میں معمورۂ وجود میں آئی ہے۔

کچھ ایسے اہم عوامل ہیں جنھوں نے اہل سنت کو ان مبتدعانہ تحریکوں سے ممتاز کر رکھا ہے جن میں سے بعض نے دین دار طبقہ کو اہل سنت کے مقرر کردہ معیاروں کی مخالفت پر آمادہ کیا ہے؛ اس لیے جادۂ رسول پر گامزن افراد کو ایسے فتنوں کے تدارک کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہنا چاہیے اور عقائد اہل سنت کی روح کو مد نظر رکھ کر اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اہلسنّت و جماعت کے متفقہ مسائل

Matters upon Which the Ahl al-Sunnah wal Jama'ah Agree

۱: اللہ -عزوجل- پر ایمان :

قرآن وحدیث میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ پر ایمان رکھنا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انسانی صفات سے متصف جاننا درست نہیں کیوں کہ مخلوق سے خالق کی مشابہت نہیں کی جا سکتی۔ اللہ کے جملہ اسمائے حسنیٰ قرآن میں مذکور ہیں، اس موقع پر حد درجہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اور مبتدعانہ نظریات کو کبھی بھی خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔

اہل اسلام کبھی بھی اپنے عقیدہ کے سلسلہ میں کسی ریب وتردد کو راہ نہ دیں۔ اور جب تک شمع ایمان دلوں میں روشن ہے کسی نقص وعیب کی بنیاد پر خود کو کافر تصور نہ کریں؛ کیوں کہ عقیدہ کے سلسلہ میں ایسا گمراہانہ پس منظر ہمارے سرمایۂ ایمان کو غارت کر سکتا ہے۔ اللہ رب العزت قرآن کریم میں فرماتا ہے :

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ o (سورۂ فصلت:۴۱/۳۳)

اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے: بے شک میں (اللہ ورسول کے) فرماں برداروں میں سے ہوں۔

۲: اہل سنت کا قرآن پر عقیدہ :

قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام ہے، اور پھر اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔ یہ آخری آسمانی کتاب ہے اور تا قیامت اس کی حقانیت وقانونیت برقرار رہے گی۔

وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ o (سورۂ نمل:۲۷/۶)

اور بے شک آپ کو (یہ) قرآن بڑے حکمت والے، علم والے (رب) کی طرف سے سکھلایا جا رہا ہے۔

۳: اِس جہاں میں دیدارِ الٰہی ناممکن ہے :

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے کسی بھی مقام پر یہ نہیں فرمایا کہ انھوں نے اس دنیا میں حقیقتاً اللہ کو دیکھا۔ اہلسنّت کے عقیدہ کے مطابق قبل ازمرگ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ ایک حدیث میں رسول کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رؤیت محال ہے۔ (صحیح مسلم)

۴: جنت میں اہل ایمان رؤیت الٰہی سے مشرف ہوں گے :

مستند کتب احادیث میں یہ حوالہ موجود ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے

۔تاہم فرقہ جہمیہ، معتزلہ اور روافض کا نظریہ اس کے مخالف ہے۔

اللہ تعالیٰ عرش وفرش سے پاک اور اس کی ذات زمان ومکان سے بالاتر ہے۔

۵: عرصہ محشر میں کیا ہوگا؟

اہل سنت وجماعت قیامت اور عذاب قبر کے متعلق رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اہلسنت کے مطابق قبر، مومن کے لیے جنت کے باغات میں سے ایک باغ اور کافر کے لیے جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے۔قبر کے اندر ہر انسان سے منکر نکیر کا سوال کرنا بھی برحق ہے۔بروز قیامت لوگوں کے باہمی حقوق کا تصفیہ ہوگا اور اہل حق کو ان کا حق لوٹا دیا جائے گا۔

تفسیر وفقہ کے مشہور ومعروف ترک عالم دین عمر نصوحی بلمن قیامت کی بابت درج ذیل تبصرہ فرماتے ہیں :

مرنے کے بعد قبر میں منکر ونکیر نامی دو فرشتے کا سامنا ہوتا ہے جو یہ سوال کریں گے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارے پیغمبر کون ہیں؟ اور تمہارا قبلہ کیا ہے؟۔اور یہی سوالاتِ قبر کے نام سے مشہور ہے۔

دنیوی زندگی میں سرانجام دیے گئے جملہ اعمال فرشتوں کے ذریعہ ایک کتاب میں درج کیے جاتے ہیں جو قیامت میں ہر کسی کو دے کر یہ کہا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال لے کر پڑھو، اس طرح کوئی بھی چیز پوشیدہ نہ رہے گی۔

میزان عدل، حق وانصاف کا ترازو ہے جس سے ہر بندے کا عمل وزن کیا جائے گا اور اس کے ذریعہ اس کے نیک وبد اعمال کا فیصلہ سنایا جائے گا۔

پل صراط جہنم پر بنایا گیا ایک پل ہے، جس کو عبور کرنا کوئی آسان نہیں مگر اللہ کے نیک بندے اس کو آسانی کے ساتھ عبور کرلیں گے۔یہاں تک کہ بعض بجلی کی طرح پار کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔کفار اور گنہ گار مسلمان اس کو پار نہ کرسکیں گے، اور جہنم میں گر جائیں گے۔کفار کو تو وہیں ہمیشہ رہنا ہوگا جب کہ مومنین متعینہ سزا کاٹ کر پھر جنت میں داخلہ کے حق دار ٹھہریں گے۔(عمر نصوحی بلمن ح۔دی گریٹ اسلامک کیٹکزم :صفحہ۳۲،۳۴)

۶: شفاعت نبوی :

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں خصوصی مقام ومرتبہ رکھنے والے برگزیدہ بندے اور انبیائے کرام عصیاں شعار مسلمانوں کے لیے سفارش کریں گے، اور بے گناہ لوگوں کے لیے ترقی درجات کی دعا کریں گے۔اور یہی شفاعت کہلاتی ہے۔ہر مسلمان کو اس کا مستحق بننے کی سعی وتمنا کرنی چاہیے۔

عمر نصوحی بلمن، رسول اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی شفاعت کے بارے میں رقم طراز ہیں :

ہمارے نبی مکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- اور دوسرے برگزیدہ بندوں کی شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ بدکار مسلمانوں کے گناہوں کی معافی کے لیے اللہ کی بارگاہ میں عرضی گزاری جائے گی، اور روزِ قیامت بعض فرماں بردار مسلمانوں کے

بلندیِ درجات کی درخواست کی جائے گی۔حضور اقدس–صلی اللہ علیہ وسلم–قیامت میں تمام انسانوں کی فوری حساب وکتاب کے لیے عظیم ترین شفاعت فرمائیں گے۔آپ کی یہ شفاعت "الشفاعۃ العظمٰی" کے نام سے مشہور ہے۔اور جنت میں آپ کا بلند ترین درجہ "المقام المحمود" کے نام سے متعارف ہے۔(عمر فصوحی جمس ع۔دی گریٹ اسلامک کیلکوم : صفحہ ۴۳)

۷: قضاوقدر پر ایمان :

اہلسنت اچھی وبری تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ایمان بالتقدیر کے دو درجے ہیں :

اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اگلے اور پچھلے اعمال سے باخبر ہے،ان کی فرماں برداری اور نافرمانی والے اعمال وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اس کے علم میں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کی تقدیر کو لوحِ محفوظ میں قلم بند فرمادیا ہے۔انسان کو ایک فرشتے کے وسیلے سے شکم مادر ہی میں اس کی تقدیر اسے ودیعت کردی جاتی ہے درانحالیکہ ابھی اس کی روح بھی اس کے بدن میں نہیں پھونکی گئی ہوتی۔

اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مشائے الٰہی سب سے بالاتر ہے۔کسی شخص کا زیور ایمان سے آراستہ ہونا یا نہ ہونا محض رضائے الٰہی کے بعد ممکن ہے۔مسلمانوں کو اس موضوع پر نہایت حساس ہونے کی ضرورت ہے۔

۸: اہل قبلہ کی بسبب معصیت تکفیر ناجائز ہے :

عقیدۂ اہل سنت رکھنے والے کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے کی تکفیر کرے۔خارجیت اسلام کی پہلی مبتدعانہ تحریک ہے جس نے پہلی دفعہ اس مسئلہ میں رخنہ ڈالا۔

کافر بظاہر کتنا ہی نیکوکار ہو اس کو اپنے کیے کا کچھ فائدہ نہ ملے گا۔اور ایک مسلمان خواہ کتنا ہی گناہ کیوں نہ کرلے صرف گناہ کی بنیاد پر اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ ٹھہرائے۔

۹: کراماتِ اولیا برحق ہیں :

اولیاء اللہ کی کرامتیں حق جاننا،اللہ تعالیٰ کا ان کے ہاتھوں سے غیر معمولی واقعات کا صادر کرنا اور علم کے مختلف شعبوں میں ان کے انکشافات پر یقین کرنا اہلسنت کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔

۱۰: رسول اللہ–صلی اللہ علیہ وسلم–کا معجزانہ سفر معراج :

قرآن اور احادیث کی شہادتوں کے مطابق رسول اللہ–صلی اللہ علیہ وسلم–نے جسمانی اور روحانی طور پر آسمانوں سے پرے دنیا کی سیر فرمائی۔قرآن پاک میں ہے کہ رسول اللہ–صلی اللہ علیہ وسلم–کا بیت المقدس تک جانا ایک حقیقت واقعیہ ہے،اور مستند احادیث بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ رسول اللہ–صلی اللہ علیہ وسلم–نے آسمانوں کی سیر فرمائی۔

سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ

مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○ (سورۃ اسراء ۱۷/۱)

وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تا کہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اس معجزہ پر ایمان نہ لانے والے کفار و منافقین نے فتنہ جگانے کی خاطر اس کا مذاق بنانے کی کوشش کی، اس فتنہ کو پورے مکہ میں پھیلا دیا گیا کیوں کہ وہ آپس میں ہر ملاقاتی کو اس کے بارے میں بتاتے تھے۔ ان میں سے کسی نے ابو بکر صدیق۔رضی اللہ عنہ۔ سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس تک جانے کا دعویٰ کر رہے ہیں آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ نے اپنے معمول کے مثالی اعتماد اور اطاعت شعاری کے ساتھ اس پھیلنے والے فتنے کا جواب ان الفاظ میں دیا کہ اگر حضور۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسا فرماتے ہیں تو یہ سچ ہے۔

۱۱: روزِ جزا۔

روز جزا' کائنات کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ زندگی کا آخری دن ہے۔ روزِ جزا میں ہر ایک کے اعمال کا حساب لیا جائے گا کوئی بھی دنیا میں کسی دوسری جسم و صورت میں واپس نہیں لوٹایا جائے گا کیوں کہ حضرت آدم۔علیہ السلام۔ سے لے کر روزِ جزا تک دنیا میں آنے والی روحیں پہلے ہی سے اپنے ابدان کے لیے مخصوص ہیں۔ اسی طرح کوئی بھی روح کسی دوسرے جسم کے ساتھ دنیائے ارضی کی طرف نہیں لوٹے گی۔

۱۲: جنت کی بشارت پانے والے خوش نصیب صحابہ :

(صحابہ کرام خصوصاً) عشرۂ مبشرہ کے بارے میں نازیبا الفاظ کا استعمال ان کے حق میں گستاخی پر محمول ہوگا اور یہ ان عظیم شخصیات کی حق تلفی ہے۔ ان خوش بخت صحابہ کرام کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :

- حضرت ابو بکر۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- حضرت عمر۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- حضرت عثمان۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- حضرت علی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- حضرت طلحہ بن عبید اللہ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- حضرت زبیر ابن عوام۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- حضرت سعد بن ابی وقاص۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- حضرت سعید ابن زید۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف -رضی اللہ تعالیٰ عنہ-
- حضرت ابوعبیدہ ابن جراح -رضی اللہ تعالیٰ عنہ-

تاریخ اسلام کا ابتدائی دوران عظیم شخصیات کے کارناموں سے بھراپڑا ہے۔رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے احادیث میں ان کی عظمت بیان فرمائی ہے۔مبتدعانہ تحریکوں کی ایک مشترکہ صفت ہے کہ وہ عشرۂ مبشرہ کے بارے میں آوازے کستے رہتے ہیں۔اہل سنت کا ایسے نظریات سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۳: قرآن وسنت میں تاویلات کی کوئی گنجائش نہیں :

قرآن وسنت کے واضح احکام کی عقل وقیاس کی روشنی میں مختلف تاویلیں کرنا درست نہیں۔مذاہب کے ائمہ برحق نے نہ صرف اس کا حکم دیا بلکہ خود بھی اس پر کاربند رہے۔اہل ایمان 'قرآن وسنت سے مطابقت رکھنے والے ہر مسئلہ کو قبول کرتے ہیں اور اس سے مخالف ہر شے کو چھوڑ دیتے ہیں۔اہل سنت وجماعت کا دوسرے فرقوں سے امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ ان کو تمام علوم کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔اپنے مفروضوں، من مانیوں اور خواہشات کی بجائے وہ ان دونوں کی روشنی میں اپنے جملہ مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔کسی مسلمان کو قرآن وسنت کی مخالفت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

مکاتب اہل سنت

The Ahl al-Sunnah's Schools

مکاتب عقائد وکلام :

علم کلام کے اعتبار سے دو مکاتب فکر پائے جاتے ہیں :

۱: ماتریدیہ : امام ماتریدی

۲: اشعریہ : امام اشعری

بنیادی طور پر اگر دیکھا جائے تو یہ دو نہیں بلکہ ایک ہی مکتب فکر کی دو شاخیں ہیں۔یہ کوئی چالیس مسائل میں باہم اختلاف رائے رکھتے ہیں مگر یہ اختلافات محض دائرۂ تفصیل کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔

مکتب ماتریدیہ :

مکتب ماتریدیہ کے بانی حضرت ابومنصور محمد ابن محمود الماتریدی ہیں، جنھیں امام ماتریدی کے نام سے جانا جاتا ہے۔آپ -۲۳۸ھ- میں سمرقند کے اندر پیدا ہوئے۔

آپ ترکی النسل اور امام اعظم کے تلامذہ سے فیض یافتہ تھے۔آپ نے اپنی تصانیف میں عقل ونقل کے درمیان ایک بہترین ربط قائم فرمایا اور اہل سنت کے عقائد کے شیدائی طلبہ کی تربیت کرکے مبتدعانہ نظریات کے خلاف ایک سیسہ پلائی ہوئی

دیوار کھڑی کردی، آپ نے آئندہ نسلوں تک عقائد اہل سنت پہنچانے کی بہترین مساعی فرمائی۔

امام ماتریدی تمام حنفی مسلمانوں کے درمیان عقائد کے مسائل پر تجربہ کار استاد کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ بہت سے مسلمان بالخصوص اہل ترک انہی کے مقلد ہیں۔ان کی بعض کتابیں آج بھی موجود ہیں۔مثلاً کتاب التوحید اور تاویلات القرآن۔

اہل سنت کے بنیادی عقائد درج ذیل ہیں :

- وجود و وحدت الٰہی پر ایمان رکھنا ہمارے فرائض میں سے ہے، وہ اپنے وجود میں بے مثال ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ سے متصف ہے جو محض اسی کا حصہ ہیں۔اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اس کی ہستی کے شایان شان ہے۔
- ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا مجموعہ ہے۔دل انکاری ہو تو محض اقرار باللسان سے کوئی مسلمان نہیں بن جائے گا۔ایمان کا رکن قلب ہے، اور جب اس کی جڑیں دل میں مضبوط ہو جائیں تو پھر اس کو کوئی ختم نہیں کر سکتا۔
- جس طرح کہ کسی اہل اسلام کو غیر مسلم کہنا جائز نہیں، اسی طرح اسلام کے جملہ عقائد کے حامل کسی شخص کو غیر مومن کہنا بھی جائز نہیں۔اعمال عقیدہ کا حصہ نہیں ہیں۔
- جب ایک شخص کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے عملی نفاذ کی قوت اس کے اندر ودیعت فرما دیتا ہے، اور یہی قوت اس عمل کے دوش بدوش رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی نیت کی بنیاد پر جزا یا سزا کا مستحق بن جاتا ہے۔
- گناہ کبیرہ کے زمرے میں شامل جرائم مثلاً زنا، قتل اور شراب نوشی کی وجہ سے ایک مسلمان کافر نہیں ہو جاتا۔اس قسم کے لوگوں کو توبہ کے بعد مغفرت نصیب ہوگی۔رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– اس اُمت کے افراد کے لیے شفاعت فرمائیں گے ، یہاں تک کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے بھی۔یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانی ہے۔

مکتب اشعریہ :

مکتب اشعریہ کے بانی حضرت ابوالحسن الاشعری –۲۶۰ھ– میں بصرہ کے اندر پیدا ہوئے۔انھوں نے چالیس سال تک ایک معتزلی عالم ابوعلی الجبائی کے پاس زانوئے تلمذ طے کیا۔

امام اشعری نے مبتدعین معتزلہ، فلاسفہ، نیچریوں، ملحدوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ان کی پہلی دو شہرت یافتہ کتابیں ''رسالۃ الایمان'' اور ''مقالات الاسلامیین'' ہیں۔ان کی کل بیس کتابیں ہم تک پہنچی ہیں۔یہ روایت مشہور ہے کہ انھوں نے بیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔–۳۲۴ھ– میں بغداد کے اندر ان کا انتقال ہوا۔

شافعی اور مالکی مذاہب کے بعض ارکان عقیدۂ اشعری ہیں۔عقیدۂ اشعریہ بہت سے علاقوں خصوصاً عراق، شام اور مصر میں رائج ہے۔اہلسنت کے عقائد مرتب کرنے میں امام اشعری کے نظریات کافی اہمیت کے حامل ہیں۔مسئلہ اختیار و ارادہ کے علاوہ عقیدۂ ماتریدیہ سے ان کا کوئی نمایاں اختلاف نہیں۔

اشاعرہ کے بعض عقائد درج ذیل ہیں :

- عذاب قبر، حشر، صراط اور میزان' حق ہیں۔قرآن اپنے الفاظ و حروف کے اعتبار سے معجزہ ہے۔اس کے مانند کوئی کتاب کبھی بھی مرتب نہیں کی جا سکتی۔
- پیغمبر کے ہاتھوں پر معجزات کا رونما ہونا یوں ہی اولیاے کرام سے کرامتوں کا صدور برحق ہے۔پیغمبر اپنے معجزات کا اظہار اثباتِ نبوت کے لیے کرتے ہیں، جب کہ دوسری طرف اولیاے کرام کو تعلّی سے بچنے کے لیے حتی الامکان اپنی کرامتوں کو چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے۔
- فرشتوں کے ذریعہ وحیِ الٰہی پانے والے اور خرقِ عادات معجزات دکھانے والے حضرات نبی کہے جاتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ کے ارادے سے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- اہل ایمان کی شفاعت کریں گے۔اور مومنوں کو اللہ وحدہ لاشریک کا دیدار آخرت میں نصیب ہوگا۔خیر و شر اور ان کے اعمال کا وہی تنہا مالک ہے اور وہی انسانوں کو اعمال سرانجام دینے کے لیے قوتیں بخشتا ہے۔

مذاہب فقہ :

اہلسنّت کے چار فقہی مذاہب ہیں :

۱: مذہب حنفی : امام ابوحنیفہ

۲: مذہب شافعی : امام شافعی

۳: مذہب حنبلی : امام احمد ابن حنبل

۴: مذہب مالکی : امام مالک

اس باب میں ہم ائمہ اربعہ اور اُن کے نقطۂ نظر پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے۔

☆ امام الاعظم ابو حنیفہ اور مذہب حنفی :

امام اعظم ابو حنیفہ -۸۰ھ- میں کوفہ کے اندر پیدا ہوئے۔آپ کا اصل نام نعمان بن ثابت تھا۔کچھ تاریخی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ آپ ترکی النسل تھے۔آپ کے والد گرامی ایک دولت مند تاجر تھے، وہ جب حضرت علی بن ابی طالب -کرم اللہ وجہہ الکریم- کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوئے تو انھوں نے اپنی دعاؤں سے نوازا اور آپ کی نسل کے لیے بطورِ خاص دعا فرمائی۔

حضرت ابو حنیفہ نے بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا، زبان عربی، فقہ و ادب اور حدیث و کلام خود اپنی خداداد ذہانت سے حاصل کیا۔مبتدعانہ نظریات رکھنے والوں سے نہ صرف آپ نے مناظرہ کیا بلکہ ان میں اکثر کو قائل بھی کر دیا۔نتیجہ کے طور پر ان کی شہرت کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔

آپ علم وفراست اور تقویٰ وطہارت کے دھنی تھے۔ آپ کی تعلیمات میں شرافت ونجابت کے عناصر، اور آپ کے مذہب میں سہل وکمال نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو آپ کی طرف جھکنے پر مجبور کردیا۔

چوں کہ اس وقت علم فقہ کی انتہائی ضرورت تھی لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ نے تجارت کے جھمیلوں سے خود کو آزاد کر کے اپنی پوری توجہ فقہ کی طرف مبذول کردی۔ بیک وقت انھوں نے قرآن وحدیث کی تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے ان سے مسائل کے اخراج بھی شروع کردیے۔ آپ نے بھی حدیث کی جانچ پرکھ اور رجال حدیث کے غیر منقحہ مسائل پر تحقیق وتخریج شروع فرمادی۔

تیس سال کا عرصہ مدرسہ میں گزارنے کے بعد انھوں نے چار ہزار طلبہ کو زیورِ علم سے آراستہ کیا، جن میں استخراج مسائل کی صلاحیت سے بہرہ مند مجتہدین مثلاً ابو یوسف، محمد ابن الحسن اور حسن بن زیاد شامل ہیں۔

انھوں نے اپنے تلامذہ کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ ان کا علم اس وقت تک مضبوط اساس پر استوار مانا جائے گا جب تک درج ذیل بنیادی اصول پر وہ قائم رہیں گے :

۱: ہر علمی مجالس ومحافل میں شرکت کیا کریں اور اس کی عمومی صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کیا کریں۔

۲: اہل علم کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کرلیں اور وقت کے جملہ دانش ورانہ تحریکوں سے اپنا ربط قائم رکھیں۔

۳: جب استاذ کسی اہم موضوع پر القائے درس کر رہا ہو تو وہیں بیٹھے رہنے کو غنیمت جانیں۔

بہتیرے علمائے اسلام کے خرمن علم سے اکتساب فیض کرنے کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ نے وقت کے عظیم وجلیل عالم دین حضرت حماد بن ابو سلیمان کے میکدۂ علم میں اپنا بستر جمادیا اور وہاں سے سیراب ہوکر اٹھے، یہی وجہ ہے حضرت حماد کی رحلت کے بعد انتخاب کی آنکھیں امام اعظم کو ڈھونڈنے لگیں۔

عراق کے گورنر یزید بن عمرو نے آپ کی عوامی مقبولیت کا چراغ گل کرنے کے لیے آپ کو منصب قضا پیش کردیا۔ امام اعظم کا عہدۂ قضا ٹھکرانا ہی تھا کہ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ گئے اور پابند سلاسل کردیے گئے، تاہم عوام کے ردِ عمل کے باعث بہت جلد ہی انھیں پروانۂ آزادی سنادیا گیا۔

امام اعظم ابوحنیفہ برسوں حجاز میں رہے اور خلافت بنوعباسیہ کے عہد میں دوبارہ کوفہ لوٹ گئے۔ عباسی دور میں بھی کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی، جس وقت خلیفہ المنصور نے ان سے بغداد کا قاضی بننے کی درخواست کی تو انھوں نے دوٹوک جواب دیا :

اس پیش کش کو ٹھکرانے کی صورت میں اگر مجھے دریائے فرات کی لہروں کے حوالے کردیے جانے کی دھمکی دی جاتی ہے تو میں اس میں ڈوبنے کو ترجیح دوں گا، آپ کے گردونواح اس کے بہت سے مستحقین مل جائیں گے۔

اتنا سننا تھا کہ منصور نے بھی ان پر مظالم کی بارش کردی اور کئی دنوں تک ستم کے پہاڑ ٹوٹنے کی وجہ سے ان کی صحت کافی خستہ ہوگئی۔ بالآخر اس کی تاب نہ لاکر ۱۵۰ھ میں دنیائے فانی سے کوچ کرگئے۔ آج بھی آپ کا مزار پرانوار ہزارہا ہزار اہل اسلام کے لیے زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

آپ کے سانحۂ ارتحال کے فوراً بعد آپ کے تلامذہ آپ کے فتاویٰ اور آپ کی روایت کردہ حدیثوں کو منظم طریقہ پر جمع کر کے اس کی تدوین میں جٹ گئے۔ اپنے استاذ کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر انھوں نے نئے اصول و آئین مرتب کر کے پوری دنیائے اسلام میں ان کی تعلیمات کو عام کر دیا۔ نتیجہ کے طور پر آپ کی تعلیمات آگے چل کر "مذہب حنفی" کے نام سے متعارف ہوئیں۔ جس کے سرگرم مقلدین آج بھی ترکی، بلکان، قفقاز، سائبیریا، چین، پاکستان، البانیا، مصر، فلسطین، شام اور عراق میں موجود ہیں۔

امام اعظم کی ہمارے ہاتھوں لگنے والی بعض تصانیف کی فہرست یہ ہے: الفقہ الاکبر، العالم والمتعلم، الرسالۃ، حواشی سے متعلق پانچ کتب، القصیدۃ النعمانیۃ، معرفۃ المذاہب۔

آپ کی تصانیف سے کچھ قابل ذکر اقتباسات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

لوگوں سے حد درجہ محبت کا سا برتاؤ کرو۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کو سلام پیش کرو۔ اگر کبھی کسی محفل میں دوسروں کے ساتھ شریک ہونے کا اتفاق ہو اور وہاں مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال ہو رہا ہو، اسی دوران اگر کوئی تمہارے نظریے سے متضاد کوئی نظریہ پیش کر دے تو وہیں اس کے بخیے نہ ادھیڑنے شروع کر دو۔ ہاں! اگر اس مسئلہ میں تمہاری رائے کا مطالبہ کیا جا رہا ہو تو پھر اپنے دل کی باتیں کھول کر پیش کرنے میں کوئی مذائقہ نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہو کہ اس موضوع پر فلاں فلاں آرا پیش کی گئی ہیں جن کی دلیلیں یہ یہ ہیں۔ تب جا کر لوگ تمہارے مبلغ علم کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

جو کوئی تشنۂ علم تمہارے پاس آئے اس کی تشنگی بجھانے اور اسے سیراب کرنے میں کسی بخل سے کام نہ لو۔ انھیں معمولی قسم کی نہیں بلکہ مہتم بالشان اُمور کی خیرات بانٹو۔ ان سے دوستوں کا سا برتاؤ کرو، اور مزاح کے انداز میں ان پر پُر حکمت طنز کرو؛ کیوں کہ دوستی اور خلوص، علم کے تسلسل کو یقینی بناتے ہیں۔

ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو، اور بردباری سے کام لو، کبھی بھی بے رغبتی اور بوریت کا اظہار نہ کرو، اور خود کو ان کا ایک حصہ سمجھو۔

کسی کی دوستی پر اس کے ثبوت سے پہلے اعتماد نہ کرو، کسی رذیل یا نااہل سے دوستی کا ہاتھ نہ بڑھاؤ، نیکیوں کے خوگر رہو، سخاوت اور تعلق دلی سے کام لو۔ اپنے ملبوسات جدید و نفیس رکھو، بہترین قسم کے گھوڑوں پر گھوڑ سواری کرو، خوبصورت قسم کے عطریات استعمال کرو، جب بھی کسی کو کھانا کھلانا ہو تو فیاض دلی سے کام لو، اور ہر ایک کو مطمئن کرنے کی کوشش کرو، جب کسی فتنہ و فساد کا سنو تو اس کو دور کرنے میں عجلت سے کام لو، جو لوگ تمہارے پاس آتے ہیں ان سے بھی ملو اور جو نہیں آتے ان سے بھی، ہمیشہ اچھائی کرو اگر چہ لوگ تمہاری اچھائی یا برائی چاہیں، معمولی باتوں پر عفو و درگزر کرو، مشقت میں ڈالنے والی چیزوں سے دور بھاگو، اور نیک عمل کرنے کی کوشش

کرو، اپنے بیمار ساتھیوں کی عیادت کرو، اور غیر حاضر رہنے والوں کی خبر گیری کرو، اور ان لوگوں میں دلچسپی بڑھاؤ جو تمہاری طرف نہیں آتے۔ (امام اعظم کی طرف سے امام ابو یوسف کو کی گئی نصیحت)

جاننا چاہیے کہ علم کے وسیلے سے اعمال یوں ہی رواں دواں ہیں جیسے آنکھوں کے سہارے جسم انسانی۔ علم کی روشنی میں سرانجام دیے گئے چند اعمال جہالت کے اندھیرے میں کیے گئے ڈھیروں عمل سے بہتر ہیں، یہ درج ذیل ضرب المثل کے مشابہ ہے کہ انسان کو اگر علم ہو تو وہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے خواہ اس کے پاس زادِ راہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اور علم نہ ہونے کی صورت میں زادِ راہ کی کثرت بھی اسے مقصود آشنا نہیں کرسکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان، نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (سورۂ زمر: ۹) (عثمان کسکی اوغلو، ابو حنیفہ محمد ابو زہرہ صفحہ ۱۷۷)

امام اعظم ابو حنیفہ کی ابو یوسف کے نام چند نصیحتیں ابراہیم حقی آف ایرزوروم کے معرفت نامہ میں موجود ہیں۔ درج ذیل اقتباس وہیں سے ماخوذ ہے۔

دوسروں کے لیے ہمیشہ بھلائیوں کے طلب گار رہو اور ان کو نصیحت کیا کرو، ان لوگوں سے جا کر گفتگو کرو، جو تمہارے کردار کو دیکھنا اور قبول کرنا چاہتے ہیں اور تم سے بات کرنا چاہتے ہیں تا کہ تم ان کے حلقوں میں علمی مسائل پر بحثیں کرسکو۔

ایسا کرنے سے شاید ہر طالب علم خود کو تمہارا عزیز تصور کرنے لگے، علم کی خاطر تمہاری قوت روز بروز بڑھتی رہے، نہ سننے والوں اور بازاری لوگوں سے باتیں نہ کرو، سچ بولنے سے کبھی نہ جھجکو، عوام الناس کے مقابلے میں زیادہ دینی اعمال سرانجام دیا کرو، منکرین اور اہل بدعت کے ساتھ نشست و کلام نہ کرو، اور اگر حالات سازگار ہوں تو ان کو دین کی طرف دعوت بھی دو۔ میری یہ نصیحت تم سمیت ہر کسی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں راہِ راست پر جادہ پیما کرے اور لوگوں کو راہِ حق کی طرف دعوت دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ امام شافعی اور مذہب شافعی :

امام شافعی غزہ میں –۱۵۰ھ– میں پیدا ہوئے۔ آپ کی سن پیدائش کو علما نے بڑی اہمیت دی ہے؛ کیوں کہ اسی سال امام اعظم ابو حنیفہ –رحمۃ اللہ علیہ– نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ امام شافعی بچپن ہی میں اپنے والد محترم کے سائے سے محروم ہوگئے تھے، اور عہد طفولیت اکثر و بیشتر فقر و فاقہ میں گزارا۔

آپ نے مکہ کی طرف رخت سفر باندھا اور وہاں جا کر مطالعہ حدیث میں مصروف ہوگئے۔ قرآن آپ نے بچپن ہی میں حفظ کرلیا تھا اور امام مالک کے مسلک سے منسلک رہے۔ آگے چل کر اسلامی تعلیمات کو اساس بنا کر آپ نے خود کو فقہ کی

خدمت کے لیے وقف کردیا۔

جب آپ کی عمر چونتیس سال ہوئی تو یمن کے گورنر نے آپ پر شیعہ مذہب کی تشہیر کا الزام لگا کر آپ کو پابند سلاسل کردیا۔ امام شافعی سے منسوب ۹ افراد تہِ تیغ کردیے گئے، بڑی تعداد میں حامیوں کی مداخلت آپ کی جاں بخشی کا سبب بنی۔

آپ مکہ معظمہ سے دو سال کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد بغداد واپس آئے۔ یہ وہ دور تھا جب پوری دنیائے اسلام میں آپ کی شہرت کا طوطی بول رہا تھا، آپ نے سازگار تر ماحول کی تلاش شروع کی اور آخر کار مصر کو بطورِ رہائش منتخب فرمایا۔

مصر کے عوام اور گورنر نے آپ کو خوش آمدید کہا اور تاحینِ حیات یہی گورنر آپ کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالتا رہا اور اہل بیت کرام کے مخصوص شدہ وقف سے آپ کو برابر حصہ ملتا رہا۔

امام شافعی نے اپنی پوری زندگی خدمت اسلام کے لیے وقف کردی، اور آئندہ نسلوں کے لیے علم کا کافی خزانہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے، اور بہتیرے طلبہ کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ فرما کر اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی سرانجام دی۔ مزید برآں آپ معتزلہ جیسے مبتدعانہ گروہ نیز دیگر باطل فرقوں کے خلاف جہادِ پیہم کرتے رہے۔ ۲۰۴ھ میں مصر کے اندر آپ کا وصال ہوا۔

آپ نے "احکام القرآن"، "السنن"، "کتاب الام" اور "مسند شافعی" وغیرہ بیش بہا کتابوں کا ورثہ اپنے بعد چھوڑا۔

عراق، مشرقی انتولیا، ہندوستان، فلسطین، حجاز، فلپائن، یمن، مصر اور شام میں بہت سے مسلمان آپ کے مذہب کے مقلد ہیں، اور آج بھی اسلامی دنیا میں آپ کا ذکر جمیل زبان زدِ خاص وعام ہے۔

امام شافعی -رحمۃ اللہ علیہ- اپنے مذہب کی اہمیت درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر کوئی حدیث رسول کی کما حقہ معرفت حاصل کرلے تو اگر میں کوئی ایسی رائے قائم کروں یا کوئی ایسا اُصول پیش کروں جو سنت رسول سے متصادم ہو تو میرے قول کو چھوڑ کر قولِ رسول کی پابندی ضروری ہے، اور یہی میرا مذہب ہے۔ اگر میں کوئی حدیث رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے روایت کروں لیکن خود اس کی روشنی میں عمل نہ کروں تو بھلا خدا کی اس زمین پر مجھے رہنے کا کیا حق ہے اور بھلا کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا۔ میری نگاہوں میں حدیث نبوی کا مقام بہت ہی بلند وبالا ہے۔

امام شافعی کے کچھ اقوالِ زریں :

اگر آپ میں سے کوئی ہر کسی کو مطمئن کرنا چاہے تو ایسا ممکن نہیں۔ ایک بندے کے لیے اخلاقی اقدار پر خصوصی توجہ دینا ضروری ہے۔ ہر نیکی محض خالق اور مخلوق کے درمیان ہونی چاہیے۔

طلب علم کا درجہ نفلی عبادت سے برتر ہے؛ کیوں کہ نفلی عبادت کا فائدہ محض بندے ہی تک محدود ہوتا ہے جب کہ علم کی برکت سے پورا انسانی معاشرہ مستفید ہوتا ہے۔

اگر آپ اپنے کسی دینی بھائی کو در پردہ نصیحت کرنے کے آرزومند ہیں تو پھر اس کو بہترین مشورے اور اچھے اخلاق

کا درس دیں ۔اور اگر آپ اس کو یہ نصیحت بر سرِ عام کریں تو اس پر نہ تو کوئی اثر ہوگا بلکہ اُلٹے آپ اس کی ہتک عزت اور اس کے لیے سامانِ ملامت بہم پہنچا رہے ہیں۔

جو آخرت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کا متمنی ہو اُسے اپنے علم میں اخلاص پیدا کرنا چاہیے۔

اعمال کو بطورِ نصیحت سرانجام دینا بھی ایک طرح کی ہدایت ہے۔

درج ذیل تین شرائط ایک دینی بھائی کے لیے سچی محبت کی راہیں ہموار کرتی ہیں :

۱) فریقِ ثانی کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی معمولی لغزشوں سے چشم پوشی کرنا۔

۲) اعلانیہ طور پر کسی تکمیل نا آشنا کام کو صیغۂ راز میں رکھنا۔

۳) اپنے حق میں کی گئی کسی بھی حق تلفی کو معاف کر دینا۔

☆ امام مالک اور مذہب مالکی :

معتبر روایات کے مطابق امام مالک ابن انس -۹۳ھ- میں مدینہ کے اندر پیدا ہوئے۔ مطالعہ حدیث میں محو خاندان کے بیٹے کی حیثیت سے آپ نے انتہائی مختصر مدت میں اس میدان میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لی ۔آپ کو نو عمری ہی میں معروف عالمِ دین ابن ہرمز کے حوالے کر دیا گیا جہاں تیرہ سالہ تک آپ ان کے حلقہ درس سے متعلق رہے۔ سترہ سال کی عمر میں باقاعدہ درس دینا شروع کر دیا اور اپنے اساتذہ سے کہیں زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ آپ کی عمر ابھی کوئی تیرہ سال تھی کہ امام اعظم ابو حنیفہ -رحمۃ اللہ علیہ- نے آپ کے درس میں شمولیت اختیار کر لی۔

امام مالک کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ آپ بلند حافظہ، اعلیٰ ذہانت، صبر و تحمل، حلم و وفا، دور اندیشی، اور منفرد المثال شان و شوکت کے مالک تھے۔ آپ علم حدیث میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ روایات کی صحت کے تعین میں آپ کی انتہائی احتیاط و دیانت مشہورِ زمانہ ہے۔ آپ روایت شدہ احادیث کی محتاط انداز ے میں چھان بین کیا کرتے تھے۔اور محض معتبر و مستند احادیث ہی کو قبول فرماتے تھے۔

فتویٰ جاری کرنے میں امام مالک کبھی جلد بازی سے کام نہ لیتے۔ جب بھی ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ فرماتے تھے کہ "ابھی آپ جائیں اور اس مسئلہ پر مجھے تحقیق و تجسس کا موقع دیں"۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو آپ جواباً فرماتے کہ "فتویٰ جاری کرنے کے سلسلے میں مجھ سے محاسبہ ہوگا اور مجھے روزِ جزا کا کافی خوف ہے"۔

امام ابو حنیفہ کی طرح امام مالک کو بھی خلیفہ منصور کا مشقِ ستم بننا پڑا اور کئی دن تک قید و بند میں جسمانی صعوبتیں اٹھانی پڑیں تاہم کئی سال بعد خلیفہ منصور کو اپنی بدسلوکی کا احساس ہوا اور امام مالک سے معافی مانگی۔ امام مالک نے اپنی زندگی کے آخری لمحات علالت میں گزارے اور -۱۷۹ھ- میں مدینہ کے مقدس شہر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آج آپ کے مذہب کے پیروکار ٹریپولی، لیبیا،تونس، مراکش، حجاز، مصر، الجیریا اور افریقی ساحل پر آباد ہیں۔ چالیس سال کی طویل ترین مدت میں پایہ تکمیل تک پہنچنے والی آپ کی مشہور و معروف تصنیف الموطا ہے۔ ایک لاکھ سے زیادہ احادیث کی چھان بین کے بعد آپ نے محض ایک ہزار سات سو بیس (۱۷۲۰) احادیث ہی اس کتاب میں درج فرمائیں۔ بدیع الزماں سید نورسی نے امام مالک کے اس عظیم شہ پارے کی اپنی تحریروں میں تعریف وتوصیف فرمائی ہے۔

☆ امام احمد بن حنبل اور مذہب حنبلی :

امام احمد بن حنبل نے ۱۶۴ھ میں بغداد کے اندر شرف تولد حاصل کیا۔ آپ کو دولت عباسیہ کا روشن ترین دور میسر آیا۔ بچپن ہی میں والد محترم کے سائے سے محرومی کے باوجود آپ نے دینی علوم کے سلسلے میں اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ کئی چیدہ علمائے کرام کے حلقاتِ دروس سے مستفید ہوئے، لیکن سب سے زیادہ آپ امام شافعی سے متاثر ہوئے۔ اسی سبب آپ نے تحقیق حدیث کا آغاز فرمایا۔ یہ حصولِ علم کا ایک کٹھن مرحلہ تھا آپ کو خصوصا اوائل عمری ہی میں جس کے لیے برابر شد رحال کرنا ہوتا تھا۔

امام احمد ابن حنبل اپنے اساتذہ کا بےحد احترام کرتے تھے۔ ان کے قیدِ حیات رہتے ہوئے آپ نے احادیث کے بارے میں کبھی اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہ فرمایا، اور چالیس سال کے سن رشد پر پہنچنے کے بعد ہی آپ نے گونا گوں مسائل پر فتاوے جاری کرنے شروع کیے۔ جو آپ کے عجز و انکسار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سن رُشد کے بعد ہی آپ نے فتویٰ جاری کرنے کا آغاز کیا تاکہ اس طرح کی سنجیدہ دینی ذمہ داری کو بحسن وخوبی سرانجام دے سکیں۔ اپنے علم و پاکبازی سے آپ بہت جلد ایک محترم و مقبول عالم شریعت کے طور پر ابھر کر بساطِ عالم پر نمودار ہوئے۔

آپ اپنی تقریروں میں اکثر سامعین کی توجہ تین موضوعات پر مرکوز کرتے تھے۔ متانت، پاکبازی، اور روحانی تسکین آپ کے گفتگو کا محور ہوا کرتی تھی۔ آپ کبھی کسی کا تمسخر نہ فرماتے، اور فطری طور پر اپنے مخاطب سے نہایت احترام سے پیش آتے تھے۔

آپ حدیثیں اسی وقت روایت کرتے جب اس کی درخواست کی جاتی۔ کسی غلطی کے صدور سے بچنے کی خاطر آپ اپنے حافظے پر اعتماد کی بجائے معتبر و مستند ذرائع سے احادیث کو بیان فرماتے تھے۔ یہ ایک بار پھر آپ کی احتیاط شعاری اور اقوال نبوی کی حقیقی روایات پر اعتماد والے آپ کے موقف کو ظاہر کرتا ہے۔

آپ اپنے تلامذہ سے روایت کردہ احادیث کو املا کرنے کی خصوصی ہدایت فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے فتاوے قلم بند کرانے کا بھی اہتمام فرمایا تاکہ کسی غلطی کو راہ نہ مل سکے۔

آپ نے اپنی زندگی کے دم آخر تک مبتدعانہ تحریکوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا، یہی وجہ تھی کہ حاکم وقت خلیفہ المعتصم اور آپ کے درمیان سنگین اختلافات اُٹھ کھڑے ہوگئے، آپ کو گرفتار کر کے بغداد میں پابند سلاسل کیا گیا، آپ کی بڑھتی ہوئی

مشکلات نے آپ کو عوام کی نظروں میں مزید قدر و منزلت عطا کر دی۔ صعوبتوں کا یہ سلسلہ آزادی کے بعد بھی برقرار رہا۔ آپ کی تقریری سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی اور ادائیگی نماز کے لیے آپ کا مسجد میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ (یہ سلسلہ صرف آپ کی ذات ہی تک محدود نہ رہا بلکہ) یکے بعد دیگرے آپ کے تلامذہ بھی جیل کی سلاخوں میں دم توڑنے پر مجبور کیے گئے۔ آپ کو خلیفہ کے دربار میں حاضری کے لیے بغداد سے تارسس تک کا سفر بیڑیوں کے ساتھ کرنا پڑا۔ اور ۲۱۹ھ میں راہ ہی میں راہی ملک بقا ہو گئے۔

حنبلی مذہب نے اس وقت سر اٹھانا شروع کیا جب کہ حنفی و مالکی اور شافعی مذاہب اس سے بہت پہلے ہی اسلامی دنیا میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکے تھے۔ اس وجہ سے یہ مذہب جزیرۂ عرب کو پار نہ کر سکا۔

امام احمد بن حنبل کی مشہور ترین تصنیف 'المسند' ہے۔ آپ علم حدیث کے ماہر گردانے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو دس لاکھ احادیث حفظ تھیں۔ مگر آپ نے المسند میں صرف تیس ہزار احادیث کا انتخاب فرمایا ہے۔ عظیم عالم دین امام قہستانی کے مطابق آپ نے پچاس ہزار سات سو (۵۰۷۰۰) روایات بیان کی ہیں۔ آپ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور اخلاق و کردار کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

اختلافِ مذاہب سامانِ رحمت :

اہل سنت و جماعت کے مختلف مذاہب کے درمیان موجود اختلافات دراصل عالم اسلام کے لیے بجائے نقصان کے فوائد متنوعہ کے حامل ہیں۔ چاروں فقہی مذاہب کے ہر امام نے اپنے اجتہاد کے مطابق رشد و ہدایت کا طریقہ اپنایا مگر باہمی اختلافات کی بنا پر کبھی ایک دوسرے کو ہدف تنقید نہیں بنایا؛ جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ اگر باہمی عزت و تکریم کو مدنظر رکھا جائے تو وہ اختلاف وسیلہ رحمت ثابت ہوگا۔ اور تاریخ نے یہ بات ثابت کر دی کہ واقعتاً ایسا ہی ہوتا آرہا ہے۔ اور ضرورت کے تحت کسی دوسرے مذہب کی تقلید کا مجاز ہونا اس بات کی منہ بولتی شہادت ہے۔

عمر بن عبدالعزیز اس موضوع کے حوالے سے فرماتے ہیں :

> فقہ کے مسائل میں اختلاف نہ کرنے پر میں رسول اللہ ﷺ کی امت سے خوش نہیں ہوں کیوں کہ لوگوں کا ایک ہی نظریے پر اتفاق مشکل ہے جو اُن میں کسی بھی امام کے قول کی پابندی کرے، وہی اُس کے لیے سنت ہوگی۔ (محمد ابوزہرہ۔ تاریخ المذاہب الاسلامیہ)

اہل سنت کے عقیدے کے مطابق یہ مشہور ہے کہ احکام کے عملی نفاذ کے سلسلے میں ہر مخلصانہ نظریہ، اجتہاد اور تعبیر مختلف علاقوں اور معاشروں میں اسلام کے عروج و فروغ کا آلہ کار رہی۔

صحابہ کرام کی ان مختلف تعبیرات کے لیے زمین ہموار کرنے کا اہم ترین عامل احادیث کی مختلف تعبیرات ہیں۔ قرآن کریم کے بعد سنت یعنی احادیث اسلام میں اہم ترین ذریعہ حوالہ ہے۔ ائمہ مذاہب نے سنت پر کاربند رہنے کی تاکید بیان کی ہے

اور تارکِ سنت کو ذلت وخسران کی وعید سنائی ہے۔

سنت نبوی پر عمل پیرا رہنے کی اہمیت کو درج ذیل انداز میں بیان کیا گیا ہے :

امام اعظم ابو حنیفہ : لوگوں کی سلامتی اس وقت تک یقینی ہے جب تک سنت نبوی پر عمل پیرا افراد اُن کے درمیان موجود ہوں گے۔ ترک سنت سے بگاڑ کے راستے کھل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر احکامات نہیں جاری کرنے چاہئیں؛ بلکہ اس سلسلہ میں سنت نبوی کی اتباع ضروری ہے۔ ترک سنت کا ارتکاب کرنے والا جادۂ حق سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ (الشعرانی۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ: ۵۱/۱)

امام شافعی : اگر میں سنت نبوی کے مخالف حکم جاری کروں تو کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے جگہ دے گی؟۔

امام مالک : سنت نبوی کی مثال کشتی نوح کی سی ہے کہ اس پر سوار ہو جانے والا نجات، اور نہ سوار ہونے والا غرق آب ہو جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل: بہت سی بدعات نے سر اُٹھایا ہے۔ احادیث سے غافل شخص اُن بدعات کا شکار ہوگا۔

سنت کی اہمیت کے سلسلے میں مذاہب اربعہ کے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تاہم احادیث کی تفہیم وتشریح کی بابت ان میں کچھ اختلافات ضرور ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ائمہ مذاہب کے درمیان ایک دوسرے کے مقابلے میں علم کی کمی وبیشی یا اختلاف موجود تھا جس کی بنا پر انھوں نے مختلف احکامات جاری فرمائے۔ جب بھی کوئی مسئلہ ان ائمہ مذاہب کو پیش کیا گیا تو انھوں نے سب سے پہلے قرآن سے رجوع کیا۔ قرآن میں اگر کسی مسئلہ کا حل نہ ملا تو انھوں نے سنت نبوی میں اس کا حل ڈھونڈا، اور سنت نبوی میں بھی خاطر خواہ جواب نہ ملنے کی صورت میں صحابہ کرام کے کردار پر نظر ڈالا۔ اگر اس سے بھی کوئی حتمی نتیجہ ملنے کی اُمید نہ رہتی تو اجتہاد کی بنیاد پر فیصلہ وفتویٰ صادر کیا جاتا تھا۔ چوں کہ ہر مجتہد کا اجتہاد جداگانہ ہوتا ہے؛ لہٰذا نتیجے میں اختلافِ مذاہب نے جنم لیا۔

یہ بات بنیادی طور پر یاد رکھنا چاہیے کہ کسی ایک شخص کے لیے مکمل اُحادیث پر مہارت تامہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔ امام شافعی –رحمہ اللہ– نے فرمایا: میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو تمام سنت نبوی اور احادیث مبارکہ کو جانتا ہو۔ اگر احادیث نبویہ کے علم رکھنے والے علما کے علم کو یکجا کیا جائے تو صرف اسی حالت میں تمام سنت نبوی آشکار ہو سکتی ہیں۔ چوں کہ ماہرین حدیث دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اس وجہ سے بہت سی احادیث ایسی ہوں گی جن تک ایک عالم حدیث کی رسائی نہ ہوگی لیکن اگر ایک عالم ان سے نا آشنا ہے تو دوسروں کو ان کا علم ہوگا۔

مختلف اوقات میں رسول اللہ ﷺ کے ادا کردہ اعمال کو بعض واجب اور بعض نے نفلی قرار دیا ہے۔ اہل سنت کے مذاہب میں اس کی چند مثال ہیں۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل واقدام کو مکمل طور پر سمجھنے سے بے بسی، یا کسی عمل کا محض آخری حصہ مشاہدہ ہونے کے عمل نے بھی اختلافات کا راستہ کھول دیا ہے۔

مختلف مذاہب کے باہمی اختلافات کی ایک وجہ اقوالِ صحابہ ہیں۔ مثال کے طور پر حنفی و مالکی مذہب کے مقلدین قیاس سے مشابہ اقوالِ صحابہ کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ بعض حالات میں شافعی' روایتِ صحابہ کو قبول نہیں کرتے۔ اس سے فتاویٰ کے اختلافات کا سلسلہ چلتا رہا۔ مزید برآں رسم ورواج، روایات، جغرافیائی خصوصیات اور آب وہوا کے اختلاف نے بھی اس مظہر کو جنم دیا ہے۔

ائمہ مذاہب نے ذاتی جذبات کو اختلافات سے بالا رکھا ہے، اور محض رضائے الٰہی کے جویا رہے ہیں۔ انھوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ محض ان کے نظریات ہی مبنی بر حق ہیں بلکہ وہ یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ ہمارا موقف موزوں تر ہے۔

اس سلسلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا: ہمارے خیالات میں ہماری رائے کا عمل دخل ہوتا ہے اور یہ ہمارے بہترین آرا کے ترجمان ہیں۔ اگر کسی دوسرے شخص کی رائے آپ کو اس سے بہتر لگے تو پھر ہماری آرا کی بجائے اس کی اتباع کرنی چاہیے۔ (محمد ابوزہرہ۔ تاریخ المذاہب الاسلامیۃ)

ائمہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ باہمی الزامات کی بجائے آپس میں عزت وتکریم کا معاملہ کیا کرتے تھے۔ عمر فصوحی بیلمس اپنی کتاب ''کیلکزم'' میں فرماتے ہیں :

> عزت وتکریم کا یہ معاملہ اہلسنّت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ ان ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ سنت کی اصطلاح میں ہمارا مذہب بہتر، صحیح تر، قریب تر اور مناسب تر ہے؛ ورنہ کسی مذہب کے اپنانے کا کوئی مطلب ومقصد نہیں ہوگا۔ لیکن دوسرے مذاہب سے انکار کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ چاروں مذاہب کا احترام کرتے ہیں۔ یہ اہل سنت کی صفت خاصہ ہے۔ (عمر فصوحی بیلمس، دی گریٹ اسلامک کیلکزم: ۳۲)

ان چاروں مذاہب کا باہمی اختلاف تخریبی نہیں بلکہ تعمیری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بھی خلاف نہیں کہ مسلمانوں کو آپس میں جھگڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس قسم کا اختلاف درحقیقت وسیلہ رحمت ہوا کرتا ہے۔

دفاعِ سنت

DEFENSE OF THE SUNNAH

سنت کا دلیل ہونا :

بدیع الزماں اپنی کتاب (المیوتھ فلاش "برق یازدہم") میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

جس وقت میری اُمت میں فتنوں کا سیلاب آیا ہوا ہو، ایسے نازک وقت میں میری سنتوں پر عمل پیرا ہونے والے خوش نصیب کو سو شہیدوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔(سنن ابن ماجہ)

اتباعِ سنت نبوی یقیناً انتہائی اہمیت کا حامل عمل ہے، اور جب بدعات کا دور دورہ ہو تو اس وقت سنت کی اتباع کی اہمیت مزید دوچند ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جب امت محمدی میں بگاڑ ہو تو اس کے ایک معمولی سے حصے پر عمل، قوت عقیدہ اور خوف خدا کی غمازی کرتا ہے۔ اتباعِ سنت، براہِ راست نبی کریم ﷺ کی یاد دلاتا ہے اور پھر یہ یاد ذکر حضرت ربانی کی یاد میں بدل جاتی ہے۔ کھانے پینے سونے جیسے معمولی اور فطری اعمال میں اتباعِ سنت، حسب شریعت عبادت والے نیک اعمال بن جاتے ہیں۔ ایسے روزمرہ اعمال میں اتباعِ سنت انسان کو اتباعِ نبوت کی یاد دلاتا ہے اور انسان ان کو شریعت کا حکم سمجھ کر کرتا ہے جس سے اسے یہ باور ہو جاتا ہے کہ وہ شریعت پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داری نبھا رہا ہے اور اس سے اس کا دل اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے جو حاکم حقیقی ہے اور انسان میں حضورِ ربانی اور عبادت کا لطف اجاگر ہوتا ہے۔

اور اس طرح اس انکشاف سے جو بندے کو سنت نبوی پر کاربند ہونے سے ہو جاتا ہے اس کے اعمال کو عبادت میں بدل دیتا ہے، اور اس کی پوری زندگی کو باا جر اور ثمر خیز بنا دیتا ہے۔ (المیوتھ فلاش، برق یازدہم، اشارۂ اول)

سنت کا دلیل اور ماخذ ہونا دین میں ضروری ہے۔ اس کے دلائل مختلف اقسام کے ہیں اور سب وثوق کے ساتھ ثابت شدہ ہیں، اور علمائے اہل سنت کا ان پر اجماع ہے۔ سات موضوعات ایسے ہیں جو اسلام میں سنت کے دلیل اور ماخذ ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

۱: عصمتِ نبوی

۲: متبعین سنت اصحابِ رسول کے لیے رضائے الٰہی

۳: قرآن کریم

۴: سنت نبوی

۵: قرآن کی سنت کے ذریعہ تفہیم

۶: سنت کی اساس وحی پر

۷: اجماعِ اُمت

دلیل اول: عصمت نبوی

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک فرمایا ہے۔آپ کسی بھی ایسی صفت سے مبرا ہیں جو منصب رسالت پر منفی اثر مرتب کرے۔اور تمام علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح محفوظ عن الخطا رکھا ہے۔

اس وجہ سے رسالت کے بارے میں تمام خبریں سچی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت پر دال ہیں، اور مسلمانوں پر ان کی پابندی ضروری ہے۔

احکام دینی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ بھی جھوٹ سے پاک رکھے گئے ہیں جو دینی ثبوت کا کام دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل فرمان اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ہر قسم کے عیوب سے محفوظ ہیں :

اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے علاوہ کسی اور چیز کا تمھیں حکم نہیں کرتا۔اور جس چیز سے اللہ نے منع کر دیا ہے تمھیں اسی سے منع کرتا ہوں۔

یہ حقیقت کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پیغام کی بابت ہر خبر میں بے خطا ہیں تو یہ اس بات کی دلیل کافی ہے کہ سنت کے تمام اقسام دلیل وماخذ ہیں کیوں کہ در حقیقت ان میں سے ہر ایک رسالت کا حصہ ہے۔آپ ﷺ کی پوری زندگی قصر اسلام کے ستونوں کی تعمیر سے عبارت ہے۔آپ ﷺ کی معاشی وخاندانی زندگی، صحابہ کرام، غزوات، اور اکل وشرب کے آداب الغرض آپ کا ہر عمل اخلاق وکردار کا مثالی نمونہ ہے، جو اُمت کے لیے اسلام کی تصویر کو پورے طور پر واشگاف کرتا ہے۔

رسالت پر آنچ لانے والے کسی بھی خلل سے رسول اللہ ﷺ محفوظ ہیں، یہ آپ کے ہر عمل، نصیحت، حکم، سفارش اور منع کو واضح ثبوت بنا دیتا ہے۔یعنی (سنت ہائے نبوی کے بعد) کسی مزید معلومات کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ہمارے نبی کریم ﷺ ہر گناہ سے محفوظ اور درجہ معصومیت پر فائز ہیں۔

دوسری دلیل: متبعین سنت اصحاب رسول کے لیے رضائے الہٰی

حضور اکرم ﷺ نے سنتوں پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کے سلسلے میں امت کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، اور ترک سنت کی شناعتیں بیان کی ہیں۔اس طرح صحابہ کرام، رسول اللہ ﷺ کے جملہ احکام کی فرماں برداری اور آپ کے ہر قول وعمل کی حتی الوسع تابع داری کرتے تھے۔آپ کے نافذ کردہ تمام احکام کو مدنظر رکھتے تھے، اور آپ کے ہر عمل کو ثبوت دینی سمجھ کو بجالاتے تھے۔ دنیوی امور کے حل طلب مسائل میں وہ رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرتے اور اس کی بابت آپ سے استفسار کرلیا کرتے تھے۔

بسا اوقات اگر وہ کسی حکم کو نہ سمجھ پاتے تو حضور اقدس ﷺ سے اس کی بابت پوچھتے تھے اور اس کی تہ میں موجود حقیقت وحکمت پر آگاہ ہونے کی کوشش کرتے تھے۔مزید برآں اگر کوئی مسئلہ انھیں درپیش ہوجاتا تو اس کی تحلیل محض قرآن ہی سے

نہیں بلکہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے بھی راہ نمائی حاصل کرتے تھے۔

بارگاہِ نبوی سے دوررہ کر اگر کسی صحابی کو کوئی واقعہ پیش آتا تو وہ اس کا حل سب سے پہلے قرآن میں ڈھونڈتا پھر سنت نبوی میں ۔اور اگر سنت نبوی میں بھی جواب نہ ملتا تب اجتہاد کا سہارا لیتا تھا،اور جب وہ رسول خدا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو وہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھتا اور اپنے فیصلہ کی صحت کے بارے میں آپ سے پوچھتا۔حضور ﷺ یا تو اس کے فیصلہ پر رضا مند ہو جاتے یا پھر اس کو غلطی کی نشان دہی کر دیتے تھے،تا کہ پھر اس غلطی کا اعادہ نہ ہونے پائے۔

حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں سرانجام دیے گئے جملہ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سند قبولیت سے سرفراز ہوئے ؛کیوں کہ آپ کا اخلاق وکردار معصوم و بے مثال تھا۔نزول قرآن کے وقت کسی عمل کی پسندیدگی بالکل وحی ہی کی طرح قوی دلیل ہے۔

تیسری دلیل: قرآن کریم

قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے،جس میں سنت کے دلیل ہونے پر بے شمار آیتیں موجود ہیں۔ان آیات کی مختلف انداز میں درجہ بندی کی گئی ہے،جن میں سے بعض آیتیں کئی درجوں میں رکھی جا سکتی ہیں۔

آیت قرآنی کی پہلی قسم :

یہ آیتیں حضور اقدس ﷺ پر عقیدہ رکھنے کی لزومیت کو بیان کرتی ہیں۔آپ پر عقیدہ کا مطلب آپ کی نبوت پر ایمان ہے نیز بارگاہِ الٰہی سے عطا ہونے والی ان باتوں پر بھی جو قرآن میں مذکور ہوں یا نہ ہوں۔اس طرح کی آیتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی مخالفت اور آپ کے جاری کردہ احکام کو تسلیم کرنے سے انکار کسی طور اسلامی عقیدہ کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ٥ (سورۂ تغابن:۶۴/۸)

پس تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل فرمایا ہے اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٥ (سورۂ اعراف:۷/۱۵۸)

آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں جس کے لیے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو (شانِ اُمّیت کا حامل) نبی ہے (یعنی اس نے اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں پڑھا مگر جمیع خلق سے زیادہ جانتا ہے اور کفر و شرک کے معاشرے میں جوان ہوا مگر بطنِ مادر سے نکلے ہوئے بچے کی طرح معصوم اور پاکیزہ ہے) جو اللہ پر اور اس کے (سارے نازل کردہ) کلاموں پر ایمان رکھتا ہے اور تم انہی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا سکو۔

علامہ قاضی عیاض [۵۴۴/۱۱۴۹] فرماتے ہیں :

حضور اقدس ﷺ پر ایمان بطور خاص چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر عقیدہ غیر مکمل ہوتا ہے۔ (الشفا: ۹۱/۲)

امام شافعی [۲۰۴/۸۱۹] نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کے آغاز کی تکمیل فرمائی جو ہر چیز کی اساس ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔ پس اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر محض اللہ پر ایمان و عقیدہ رکھے تو اس کا عقیدہ غیر مکمل ہوگا تا آں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول دونوں پر عقیدہ رکھے۔ (الرسالہ: ۷۵)

ابن قیم جوزیہ [۷۵۱/۱۳۵۰] کہتے ہیں :

درج ذیل آیت عقیدہ کے بنیادی شرائط پر حاوی ہے :

......وَ اِذَا كَانُوا مَعَهٗ عَلٰى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ○ (سورۂ نور: ۶۲/۲۴)

اور وہ جب آپ کے ساتھ کسی ایسے (اجتماعی) کام پر حاضر ہوں جو (لوگوں کو) یکجا کرنے والا ہو تو وہاں سے چلے نہ جائیں۔ (یعنی امت میں اجتماعیت اور وحدت پیدا کرنے کے عمل میں دل جمعی سے شریک ہوں۔) جب تک کہ وہ (کسی خاص عذر کے باعث) آپ سے اجازت نہ لے لیں۔

اس کا مطلب صریح یہ ہے کہ وہ آپ کی اجازت کے بغیر علم کی کسی راہ پر جادہ پیما نہیں ہوتے اور نہ کسی موقف کو اختیار کرتے ہیں۔ (ابن الجوزی، علم الموقعین: ۵۸/۱)

آیت قرآنی دوسری قسم :

یہ آیتیں دکھاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرضی ربانی کے مطابق قرآنی آیت کی تشریح و تفسیر پیش کی۔ اور آپ نے اپنی امت کو کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) دونوں کی تعلیم دی، امام شافعی اور دوسرے علما نے حکمت کا ترجمہ سنت کیا ہے۔

وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (سورۂ نحل: ۶۴/۱۶)

اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نہیں اُتاری مگر اس لیے کہ آپ ان پر وہ (اُمور) واضح کر دیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور (اس لیے کہ یہ کتاب) ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لے آئی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ○ (سورۂ آل عمران: ۱۶۴/۳)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کتاب کا تذکرہ فرمایا، جو قرآن ہے اور اس نے حکمت کا تذکرہ بھی کیا۔ قرآن

کے علوم سے بہرہ ور علما میں سے جن کی رائے کو میں معتمد جانتا ہوں، ان سے میں نے سنا ہے کہ "حکمت" کے معنی سنت رسول اللہ ہے۔ یہ قرآن کے فرمان کی تائید ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ بندوں کو قرآن و حکمت کی تعلیم سے منور کر کے ان پر احسان عظیم کر دیا۔ یہ بات کہنا روا نہیں ۔ (واللہ اعلم بالصواب) کہ حکمت کے معنی سنت رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ اور ہے؛ کیوں کہ یہ کتاب کا مقرون ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے، اور لوگوں پر آپ ﷺ کے احکامات کی اتباع کرنے کی مطلق ذمہ داری عائد کی ہے، پس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علاوہ کسی امر کی بابت یہ کہنا روا نہیں کہ یہ واجب عمل ہے۔ (امام شافعی، الرسالہ: صفحہ ۷۸)

آیت قرآنی کی تیسری قسم :

یہ آیات دکھاتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونا واجب ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اطاعت الٰہی کے برابر ہے اور آپ کی کسی قسم کی مخالفت یا آپ کی سنت میں تبدیلی سختی سے منع ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (سورۂ آل عمران: ۱۳۲/۳)

اور اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرماں برداری کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ○ (سورۂ محمد: ۳۳/۴۷)

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کیا کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کیا کرو، اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ (سورۂ مائدہ: ۹۲/۵)

اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو۔ اور (اللہ و رسول کی مخالفت سے) بچتے رہو، پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف (احکام کا) واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے (اور وہ یہ فریضہ ادا فرما چکے ہیں)

ابن القیم نے فرمایا :

اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول فرمان باری تعالیٰ ہے۔ اس آیت میں اطاعت کی تکرار "اور اطاعت رسول" کرنے کا حکم ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی اتباع لازم و واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب پیغمبر اسلام کوئی حکم جاری کریں اور وہ حکم قرآن میں موجود ہو یا نہ ہو تو انفرادی طور پر آپ ﷺ کی مکمل اطاعت ضروری ہے کیوں کہ آپ کو کتاب اور ساتھ ہی یکساں اہمیت والی سنت عطا کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اطاعت رسول کی اہمیت کو اجاگر کر کے فرماتا ہے :

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ○ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ○ (سورۂ نساء: ۴/۷۹ تا ۸۰)

(اے انسان! اپنی تربیت یوں کر کہ) جب تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو (سمجھ کہ) وہ اللہ کی طرف سے ہے (اسے اپنے حسن تدبیر کی طرف منسوب نہ کر) اور جب تجھے کوئی برائی پہنچے تو (سمجھ کہ) وہ تیری اپنی طرف سے ہے (یعنی اسے اپنی خرابیٔ نفس کی طرف منسوب کر) اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور (آپ کی رسالت پر) اللہ گواہی میں کافی ہے۔ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

آیت قرآنی کی چوتھی قسم :

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وافعال کی اطاعت پر دلیل ہیں اور حب الٰہی کے حصول کے لیے آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو اپنانے کا حکم صادر کرتی ہیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورۂ آل عمران:۳/۳۱)

(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمھیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (سورۂ احزاب:۳۳/۲۱)

بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

محمد ابن علی الحکیم الترمذی نے فرمایا :

رسول اللہ ﷺ کی مثال کی پیروی کا مطلب اس کا اپنا راہنما سمجھنا، اور آپ کی مخالفت نہ کرنا۔

چوتھی دلیل۔ سنت نبوی

کئی احادیث وروایات سنت کی دلیل ہونا دکھاتی ہیں، ان کو درج ذیل تین اقسام میں درجہ بند کر دی گئی ہیں۔

حدیث کی پہلی قسم :

قرآن اور احادیث کی شکل میں آپ ﷺ کو اترنے والی وحی اور امور کذب وافترا سے پاک ومبرا ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے تجویز کردہ احکامات دراصل اللہ تعالیٰ کے فرامین وپیش کش ہیں، ان کا مبدأ حضور ربانی ہے، نہ کہ آپ ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرنا۔ قرآن کے مطابق عمل کرنے کے برابر ہے۔ اقوال نبی اوامر نبوی کی اتباع اور اس کی سنت کی پیروی کا امت کے لیے قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا امر الٰہی ہے۔

اتباع نبوی اور سنت پر قائم شخص دراصل اطاعت الٰہی کرتا ہے اور راہ ہدایت پر گامزن رہتا ہے۔ ایمان اس وقت پایہ

تکمیل تک پہنچتا ہے جب کوئی شخص آپ ﷺ کے لائی ہوئی جملہ تعلیمات وہدایات پر عمل پیرا ہوتا ہے۔آپ ﷺ نے ہمیشہ سچ بولا اور آپ کی ہدایات بہترین ہدایات ہیں۔

اگر کسی عمل کی نشان دہی اور اجازت آپ ﷺ نے نہیں دی بلکہ لوگوں نے اپنی خواہشات کے مطابق ایجاد کیا تو وہ بدعت ہے جس کی تردید اور جس سے اجتناب ضروری ہے۔

امام بیہقی نے اپنے ''مدخل'' میں لکھا ہے کہ طلحہ بن نضلہ نے روایت کیا کہ جب مدینہ میں اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں تو نبی -علیہ السلام- سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! مارکیٹ میں ہمارے لیے قیمتیں مقرر کریں۔آپ نے جواب دیا: میں اللہ کی طرف سے کسی بھی ایسی سنت پر مامور نہیں ہوں جو اس کے امر کے بغیر میں تمہارے درمیان رائج کروں تاہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل واحسان کے طلب گار رہو۔

حضرت ابن حبان (۹۲۶-۳۵۴) نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بندۂ خدا کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر صلاحیت کا ایک دروازہ ہوتا ہے یا تو سنت کی طرف یا بدعت کی طرف۔اگر کسی کا رجحان سنت کی طرف ہو تو وہ کامیاب ہوگیا، ورنہ وہ برباد ہوگیا۔(مسند احمد بن حنبل:۲/۱۵۸)

حضرت عبداللہ بن عباس -رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک تم ان پر عمل پیرا رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔کتاب اللہ اور سنت نبوی۔(سنن بیہقی: ۱۰/۱۱۴ حدیث: ۲۰۱۰۸ ......الحکیم:۹۳/احدیث: ۱۹۹۰،۱۷۱:۱ ......موطا امام مالک)

امام بیہقی نے روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ کے ہر قول کو سنتے ہی میں قلم بند کرلیا کرتا تھا تا کہ اس کو یاد رکھ سکوں۔قریش نے یہ کہتے ہوئے مجھے منع کیا کہ تم حضور ﷺ کے ہر قول کو لکھتے ہو، لیکن حضور ﷺ تو انسان ہیں۔کبھی غصے کے عالم میں کچھ ارشاد فرماتے ہیں، اور کبھی اطمینان کی حالت میں۔پس میں نے لکھنا بند کردیا۔جب میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ کی بارگاہ میں کیا تو آپ نے فرمایا: لکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس سے سچ کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلتا ہے اور آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔(ابن عبدالبر، جامع بیان العلم:۲/۲۷)

حدیث کی دوسری قسم :

اس گروپ میں زیر بحث موضوع کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان محض سنت ہی پر عمل کر کے حقیقت کا رخ زیادہ دیکھ سکتے ہیں، اور محض قرآن کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور ترک سنت کر کے اپنے آزادانہ رائے سے عمل کرنے سے منع کیے گئے ہیں۔

حضرت ابن ماجہ حضرت انس، ثابت، اور عائشہ -رضی اللہ عنہم- سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی

کا امر تعلق محض آپ کی دنیا سے ہو تو پھر یہ آپ پر موقوف ہے، لیکن اگر کسی امر کا تعلق اسلام سے ہو تو یہ مجھ پر موقوف ہے۔ (سنن ابن ماجہ، احمد، ابن حبان نے اپنی صحیح میں (۱/۲۰۱ حدیث: ۲۲) اور ابو یعلی نے اپنے مسند میں ۶،۲۳۷، ۶:۱۹۸) اس طرح مسلم اور دار قطنی نے بھی اپنے سنن میں (۱/۳۸۲۱) بیان فرمایا ہے۔

حدیث کی تیسری قسم :

یہ احادیث مسلمانوں کو سمجھنے، یاد کرنے، اور پیش آمدہ نسلوں تک انھیں منتقل کرنے کا اشارہ ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ان احادیث میں بڑے اجر وثواب کی بشارت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ احکام اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ سنت دلیل ہے۔

حضرت امام بیہقی (۴۵۱ھ-۱۰۶۶) فرماتے ہیں:

اگر سنت کا دلیل ہونا لازم وحتمی نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنے آخری خطبہ میں یہ نہ فرماتے کہ جو شخص میری باتوں کو یہاں سماعت کر رہا ہے وہ بعد میں آنے والوں تک دیانت داری کے ساتھ پہنچادے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے جو بھی دینی معاملات سے متعلق چالیس حدیثیں حفظ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو روزِ قیامت اہل علم وفضل کے جھرمٹ میں اٹھائے گا۔ (ابو نعیم، حلیہ: ۴:۱۸۹)

پانچویں دلیل: قرآن کو سنت کی روشنی میں سمجھنا چاہیے

کوئی بھی محض قرآن سے اسلام کے احکامات وتفصیلات کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لیے اس سنت پر غور وخوض کرنا چاہیے جو قرآن کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ اس سے استدلال کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا، اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر سنت دلیل (وسیلہ احکام) نہ ہوتی، پھر کسی بھی عالم کے لیے اس پر غور وخوض کرنا اور اس سے سند پکڑنا نا قابل اعتماد رہے گا۔ ایسے حال میں کوئی بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ نہیں سکے گا، احکامات جاری کرنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور واجبات لغو قرار دیے جائیں گے۔ اس مسئلہ میں اپنی ذاتی رائے کے مطابق اور تنہا عمل کرنا کسی مجتہد عالم کے لیے ممکن نہیں۔ کیوں کہ قرآن اپنے اعجاز کی اعلیٰ منزل پر فائز ہے۔ محض اس کی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے اس میں کئی ثانوی معنی، اسرار، اور خزائن موجود ہیں جن کو محض اللہ کی ذات جانتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ قرآن کی تفسیر وتشریح فرماتے ہیں اور کوئی بھی شخص اس کی بنیاد پر احکامات جاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت قرآن کی تشریح کرنا رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں سے ایک تھا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتَابِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ آتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ آتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي

الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ:۲/۱۷۷)

نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگ دستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

یہ آیت دکھاتی ہے کہ نماز پڑھنا اور زکوۃ دینا فرائض دینیہ میں سے ہے لیکن مسلمانوں کو کیسے اور کب یہ امور انجام دینے ہیں، نمازیں کتنی رکعت پڑھنی ہیں، اور کیسے پڑھنی ہیں، ان سوالات کے جوابات ہمیں محض سنت نبوی ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ ہمیں تعلیم فرمایا ہے۔ بالکل یہی حال زکوۃ اور دوسرے فرائض دینیہ وغیرہ کا بھی ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ (سورۃ الروم:۳۰/۱۷)

پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو (یعنی مغرب اور عشا کے وقت) اور جب تم صبح کرو (یعنی فجر کے وقت)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا وقت صبح و شام اور رات ہے، لیکن اس تسبیح سے مراد کیا ہے تو یہ ہمیں سنت نبوی سے معلوم ہوگا۔ مذکورہ بالا آیت میں نماز پڑھنے کا جو حکم ہے وہ خاص نماز کے لیے ہے یا سبحان اللہ کہنے کے لیے ہے؟ اگر رسول اللہ ﷺ اس کی تفصیل ہمیں نہ بتاتے تو ہم صبح و شام اور رات کی نمازوں کے بارے میں تفصیلات سے نا آشنا رہتے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کی بابت فرماتا ہے:

۔۔۔ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (سورۃ توبہ:۹/۳۴)

اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

اس آیت میں خرچ کرنے سے کیا مراد ہے، اپنے تمام اموال کو خرچ کرنا جیسے کہ نزول آیت کے وقت صحابہ کرام نے سمجھا تھا یا مال کا مخصوص حصہ خرچ کرنا ہے، اگر معاملہ یوں ہے تو کتنا خرچ کرنا ہے۔ اس طرح کے اور بہت سے مسائل قرآن کے اندر موجود ہیں اور ان کی پوری تفصیل سنت نبوی میں ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ دینی فرائض کی تفصیلات پر اہل اسلام کو آگاہ فرماتے ہیں کہ یہ کیا ہیں اور انھیں کیوں کر ادا کرنا ہے، اور انھیں عملی طور پر کر کے دکھا بھی دیا ہے۔

علامہ ابن حزم احکم میں فرماتے ہیں:

قرآن میں یہ کہاں فرمایا گیا ہے کہ نماز ظہر میں چار رکعتیں اور مغرب تین رکعت ہیں۔ رکوع اس طرح اور سجود اس

طرح ادا کیے جاتے ہیں، نماز میں قرآن کی تلاوت اس طرح کی جاتی ہے، نماز کے خاتمے پر سلام اس طرح پھیرا جاتا ہے، روزہ کے دوران کس چیز سے بچنا چاہیے، زکوٰۃ کے لیے سونا چاندی اور بھیڑ اونٹ اور مویشیوں کا نمونہ۔ زکوٰۃ والے سرمائے کا تعین کرنا، اور ان کی مقدار زکوٰۃ، عرفات کے مقام پر کھڑے ہونے سے لے کر جملہ مناسک حج ادا کرنے تک، عرفات ومزدلفہ کے مقام پر نماز کا منفرد طریقہ، منیٰ میں تینوں جمرات پر کنکر مارنا، حاجی کے حالت احرام کا بیان، احرام پہنے ہوئے شخص کے لیے کن چیزوں سے بچنا، سارق کا ہاتھ کاٹنا، کون سے تیار کھانے منع ہیں، جانور ذبح کرنے اور قربانی کی تعریف وتفصیل، احکام الحدود کا طریقہ کار، طلاق کے احکام کا بیان، بیع وشراء سے متعلق احکامات، سود کی تشریح، فقیہانہ فتوے اور استغاثے کے طریقہ ہائے کار، یمین غموس کا اٹھانا، ذخیرہ آب، تمتع حیات، مستاجر کے وارثوں کی ملکیت میں شئ ہونا (العمرہ)، صدقہ کی ذخیرہ اندوزی، قانون سے متعلق دوسرے موضوعات؟

ہم قرآن کو محض جملہ فقرات سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ہم تک پہنچایا ہے یا اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ اجماع کی طرح ہے۔ قرآن مجید میں ہم محض جامع جمل اور بیانات کو پاتے ہیں۔ ان سب میں پیغمبر اسلام ﷺ کے بیان کردہ امر کے علاوہ کوئی اور حوالہ نہیں ہے۔ بعینہ یہی حال اجماع کا ہے کیوں کہ موخر الذکر چند مسائل میں استعمال کی گئی ہے جن کو ہم نے ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا ہے۔۔۔۔ اس لیے حدیث سے جا کر استشہاد واستناد کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ (ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام: ۲/۸۰،۷۹)

دوسری احادیث میں بیان ہے کہ ہم محض اپنی عقل سے قرآن کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکتے، اور سنت کا سہارا لیے بغیر ایسا کرنا محال ہے۔ اس حقیقت کے بارے میں اصحاب کرام اور تابعین نے بے شمار احادیث کا تذکرہ فرمایا ہے، اور اس سلسلے میں مکمل اتفاق واتحاد کیا گیا۔ چند مربوط روایات درج ذیل ہیں۔

امام بیہقی نے 'المدخل' اور لالکائی نے شرح اصول اعتقاد اہل سنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

ذاتی آرا پیش کرنے والوں سے ہوشیار رہو کیوں کہ وہ دشمنانِ سنت ہیں۔ وہ نبوی روایات کی یادداشت سے مایوس ہیں اور انھوں نے ذاتی آراء کا سہارا لیا ہوا ہے۔ نتیجتاً وہ گمراہ ہو گئے ہیں، اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر روانہ کرتے ہیں۔

ابو حاتم (۹۶۵/۳۵۴) ابن مسند میں اس قول کا خبر دیتے ہیں:

ہر چیز کا علم قرآن میں موجود ہے مگر انسانی بصارت اس کو پانے سے قاصر ہے۔

احمد بن حنبل نے عمران ابن حصین کا یہ قول نقل کیا ہے:

قرآن وحی بن کر نازل ہوا جب کہ سنن رسول اللہ نے وضع کیے، پھر آپ نے فرمایا: ہماری (قرآن وسنت) کی اتباع کرو، ورنہ اللہ کی قسم اگر تم ایسے نہیں کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

ابوقتادہ نے ابن المبارک سے الزہد میں روایت کیا ہے :

لوگ احادیث روایت کرنے میں مشغول تھے کہ اچانک ایک آدمی کھڑا ہوا اور چیخنے لگا: یہ بس ہے۔ ابھی اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کچھ مسائل پیش کرو عمران بن حصین غصہ ہو کر کہنے لگے: تم اور تمہارے دوست قرآن پڑھتے ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زکوٰۃ کا ذکر فرمایا تو ذرا یہ بتائیں کہ ہر دو سو میں سے پانچویں حصہ کا تذکرہ قرآن میں کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نماز کا تذکرہ فرمایا ہے، لیکن اس بات کی نشان دہی کہاں ہے کہ ظہر نماز چار رکعات پر مشتمل ہے؟ پھر آپ نے دیگر نمازوں کا ذکر کیا، اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے پوچھا کہ قرآن میں طواف کا ذکر ہے مگر سات طوافوں کا تذکرہ کہاں پر ملتا ہے؟ اور صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کا ذکر کہاں ہے؟ ہم اسی (قرآن) کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، لیکن سنت اس کی تشریح و تعبیر ہے۔

اس طرح ابن عبدالبر درج ذیل جواب روایت کرتا ہے :

مطرف بن عبد اللہ ابن الشخیر نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہمارے پاس قرآن کا نعم البدل نہیں ہے، مگر ہم اس شخص کی تلاش میں ہیں جو ہم سے زیادہ قرآن کا علم رکھتے ہیں۔

اللالکائی نے شرح اصول میں عبدس بن مالک العطار سے روایت کیا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: ہمارے تعریف کے مطابق سنت رسول اللہ سے نقل کردہ خبروں پر مشتمل ہے، اور سنت قرآن کی تفسیر ہے اور اس کے دلائل پر مشتمل ہے :

جابر ابن عبد اللہ نے فرمایا: قرآن کے نزول کے وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے، اور آپ ﷺ کو اس کی تشریح و تفسیر کا علم تھا، جس چیز پر آپ ﷺ عمل کرتے تھے ہم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

یہ تمام آیات و احادیث اور روایات ظاہر کرتی ہیں کہ سنت ایک ایسی نعمت ہے جس کے وسیلے سے ہم قرآن کو سمجھتے اور روز مرہ زندگی میں اس پر عمل کرنے کے لیے اس کو استعمال کرتے ہیں۔

چھٹی دلیل: سنت کی بنیاد بھی وحی پر ہے

رسول اللہ کی ذات سے جلوہ گر ہونے والے یا تو الفاظ و اعمال ہیں جو محض پیغام الٰہی کی ترسیل و تبلیغ کے لیے وضع کیے گئے ہیں یا کردار کے دوسرے اشکال جو اس تبلیغ کے سلسلے سے خارج ہیں۔

پہلا حصہ: یہ ایک یقینی اور مستند وحی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر قسم کی غلطی و گناہ سے محفوظ و مامون تھے۔ حنفی اسے وحی ظاہر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس حصے میں وحی بعض اوقات ایک بیان کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے، جو یہ دکھاتی ہے کہ یہ وحی ربانی ہے اور بعض اوقات دوسرے اشکال و صورت، لیکن وہ جو ایک بیان کے ساتھ عمل میں آتی ہے کہ یہ وحی ربانی ہے یا تو وہ تعبد، اعجاز یا تحدی ہوتی، بالفاظِ دیگر قرآن ـــــ اعجاز و تحدی کی صفات سے عاری وحی احادیث قدسیہ ہیں۔ یہ بھی وحی ربانی کی ایک صورت ہے۔ مثلاً رب جلیل نے فرمایا جیسے الفاظ کا استعمال۔ کسی حدیث سے پہلے، ایسی احادیث میں اخبارِ الٰہی موجود

ہے، ایسی چیزیں غلط یا فریب پر مبنی نہیں ہوسکتیں۔ پیغمبر اسلام کی خبر سے ظاہر ہے کہ یہ قول الٰہی ہے جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن اس کا کلام ہے۔ اگر کوئی ذیلی بیان یہ دکھانے کے لیے نہ ہو کہ یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر یہ حدیث نبوی ہوتی ہے۔

درج ذیل آیتیں دکھاتی ہیں کہ احادیث نبوی اور افعال نبوی وحی ربانی کے عنصری حامل ہیں۔

--- وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o (سورۂ نجم: ۵۳/۳ تا ۴)

اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے، ان کا ارشاد سراسر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔

--- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ o (سورۂ یونس: ۱۰/۱۵)

میں تو فقط اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بے شک میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

--- وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا o (سورۂ نساء: ۴/۱۱۳)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

جیسے ہم نے ایک جگہ ذکر کیا تھا کہ حکمت سے مراد سنت ہے۔

امام ابو داؤد و بیہقی نے اس بات کی نشان دہی کی ہے اور درج ذیل بیان کے ساتھ اس خبر کی تائید کی ہے :

رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا کرتا تھا، اور جبریل علیہ السلام۔ اس کی تشریح کرنے والی سنت آپ کو بتاتے تھے۔

دوسرا حصہ: یہ حصہ ان اقوال اور اسوۂ نبوی پر مشتمل ہے جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں تھا، اس وجہ سے ان کی تائید و اثبات کبھی اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور کبھی نہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے عمل پر موافقت کا اظہار فرمایا، تو اس عمل کو وحی تصور کیا جاتا ہے؛ اگرچہ یہ براہ راست وحی کے ذریعے مامور نہیں ہوتے۔ ایسا موافقت نامہ دکھاتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی نظروں میں سچا، صحیح اور قابل قبول ہے۔ مزید برآں اگرچہ براہ راست وحی ربانی کے ذریعے آپ کے ہر عمل کی خبر نہیں دی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں رسول معظم ﷺ کے ہر قول و عمل کی پیروی کا حکم دیتا ہے، اگر حال یہی ہے تو رسول اللہ ﷺ کے سرانجام دیے گئے کسی ایسے عمل کی پیروی جس کا براہ راست وحی کے ذریعے ہدایت نہیں کی گئی ہے کہ پیروی درحقیقت آپ ﷺ کی اطاعت کے بارے میں فرمان الٰہی پر عمل ہے۔ اس طرح آپ سے صادر شدہ اعمال درحقیقت وحی ربانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے بھی اس موضوع کی تائید ہوتی ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: میں صرف اسی چیز کو حلال قرار دے سکتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، اور میں محض ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دی ہیں۔ (ابو داؤد، سنن: ۵۔ سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگر "اس کی کتاب" والی تعبیر صحیح ہے تو رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اس کو نازل ہونے والی وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی متلو (قرآن) اور وحی غیر متلو (قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسری اطلاعات والہامات)

امام شافعی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کی روشنی میں فرمایا ہے کہ سنت نبوی کی پیروی کرنے والے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت نبوی کی اتباع، اور اللہ تعالیٰ کے منظور رضا واجبی فطرت کی شرط خود قرآن میں لگائی گئی ہے۔ نبی پاک ﷺ کے اجتہاد پر مبنی وہ شرائط اس دوسری قسم کا حصہ بناتے ہیں حنفی اس کو وحی باطن سے تعبیر کرتے ہیں۔

ساتویں دلیل: اجماع

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک ہم کسی ایک مجتہد امام کو نہیں دیکھتے جو اس موضوع پر علم اور اعلیٰ ضمیری کے ساتھ غور وخوض کرتا ہو، اور اس نے اس خیال کی تردید کی ہو کہ سنت پرختی سے کاربند رہنے اور ماخذ دلیل کے طور پر اس کا استعمال اور اس کی روشنی میں عمل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے خود کو سنت کے ساتھ قریب سے ملحق اور وابستہ کر رکھا ہے اور اس کے خدوخال کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں عمل کرنے پر دوسروں کو ابھارتے ہیں۔ اس کی کسی قسم کی مخالفت منع ہے اور خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے اس کے قائم کردہ اصول پر بھروسہ کرتے ہیں۔ مزید برآں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہم نے سنت کی مخالفت یا دشمنی کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ یقیناً وہ اسے قرآن کی تشریح اور تکملہ تصور کرتے ہیں۔ اگر کوئی صحیح حدیث مخالف اور غیر موافق ہو اس اجتہاد کے جس کی بنا کتاب اللہ پر مبنی ہو یا کسی اور نوع کی دلیل پر ان کی توجہ مرکوز ہوتی ہے تو وہ اپنی رائے پر نظر ثانی کرتے ہیں اور مطلوبہ شرط پر غور کرتے ہیں۔ اس بات کی کوئی علت ضرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبوب زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ -رضی اللہ عنہا- نے فرمایا: آپ کا خلق قرآن ہی تھا۔ (صحیح مسلم)

بلاشبہ ہم تک درج ذیل وصیت نامہ پہنچا ہے۔ اگر تمھیں صحیح حدیث مل جائے تو سمجھو کہ وہی میرا مذہب ہے۔ اور اس سے متضاد کسی بھی قول پس پشت ڈال چھوڑو۔ (السبکی، مجموعات الرسائل منیریہ (۲: ۹۸) دوسرے مجتہدین نے مشابہ معانی واہمیت رکھنے والی احادیث نقل کی ہیں۔

اہل حدیث کے نزدیک مجتہدین اور علمائے اسلام کا بالعموم مشترکہ نظریہ یہ ہے: اہل حدیث دین کے عظیم ترین معاون ہیں اور بے دینوں کے شبہات اور حملوں کے خلاف سب سے زیادہ دفاع کرنے والے اور طاقتور ہیں۔ بنیادی اسلامی حقائق کے دشمن اہل بدعت، فاجر اور کافر ہیں۔

سنت کے بطور دلیل ہونے کے موضوع کی بابت علمائے اسلام کے درمیان رائے کی وسیع وغالب اجماع ہے۔ اور وہ اس کی قطعیت پر متفق ہیں۔

اسلام کی جلیل القدر ہستیاں اور اُن کی خدمتوں کی جھلکیاں

GREAT ISLAMIC SCHOLARS AND SOME OF THEIR VIEWS

اہل سنت پر حوالے کی فہرست میں امتیازی مقام رکھنے والے علماء وہ ہیں جنھوں نے احادیث کی وہ عظیم وجلیل کتابیں رقم فرمائیں جو آج صحاح ستہ کے نام سے مشہور زمانہ ہیں۔

امام بخاری :

امام بخاری کی ولادت باسعادت ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی میں والد محترم اسماعیل بن ابراہیم کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ اس لیے تربیت کی ساری ذمہ داریاں والدہ محترمہ کے سر آگئیں۔ آپ کے والد بزرگوار معاصرین میں امتیازی مقام ومنزلت کے حامل تھے۔ ابھی آپ کی عمر کوئی سات سال کی تھی کہ آپ نے احادیث کا مطالعہ شروع کردیا، دس سال کے ہوتے ہوتے آپ نے قریباً ستر ہزار حدیثیں زبانی حفظ کرلیں۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، نیشاپور، اور بصرہ کے اعاظم علماو مشائخ کی بارگاہ فیض میں حاضر ہوکر آپ نے اپنی تشنگی شوق کی سیرابی کا سامان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت جلد ہی آپ کی شہرت وعظمت کا دائرہ دور دراز علاقوں تک وسیع ہوگیا۔ یگانہ روزگار علما بشمول امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، اور ابن سعید نے آپ کی کتابوں کے حوالے کو معتمد ماخذ کا درجہ دیا۔ اور اپنی کتابوں اور نجی محفلوں میں کثرت سے آپ کی تالیفات کے حوالے استعمال فرمائے۔ حدیث نبویہ پر آپ کی مہارت وبراعت ہر دور کے علماو مشائخ کے نزدیک مسلم رہی ہے۔

امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث کریمہ کا مطالعہ کیا لیکن سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) احادیث ہی کو محض اپنی کتاب کی زینت بنائی۔ ۱۶ سالہ دینی محنت وکاوش کے نتیجے میں منظر عام پر آنے والا یہ شاہکار اسلام کی تاریخ میں معتبر ترین ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ الجامع الصحیح کے نام سے مشہور زمانہ اس کتاب کی تلخیص امام زبیدی نے دو ہزار احادیث پر مشتمل "تجرید الصحیح" کے نام سے فرمائی ہے۔

۲۵۶ھ میں امام بخاری نے دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ ورثے میں آپ نے مال ودولت نہیں بلکہ ایک ایسی کتاب چھوڑی جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے رشد وہدایت کا کام انجام دیتی اور جام حدیث سے کام ودہن کو سیراب کرتی رہے گی۔ علمائے اسلام کی فہرست میں آپ کا نام آب زریں سے مرقوم ہے۔ آپ کی خدمات تا قیامت یاد کی جاتی رہیں گی اور آپ کے چھوڑے ہوئے نقوش کو کبھی مٹایا نہیں جا سکتا۔

امام مسلم :

امام مسلم نے ۲۰۴ھ میں نیشاپور کی علمی سرزمین پر آنکھیں کھولیں۔اور عہد طفولیت ہی سے مطالعہ حدیث کا مشغلہ شروع کردیا۔اسلام کی دوسری عبقری شخصیتوں کی طرح آپ نے بھی جرأت وعزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے علم وحکمت کی دولت حاصل کرنے کے لیے دوردراز کے پرمشقت دورے کیے۔تحقیق حدیث کے جذبۂ صادق نے آپ کو کشاں کشاں عراق، حجاز،اور مصروشام لے جانے پر مجبور کیا۔آپ حدیث کی جتنی کتابوں اور دوسرے متون وشروح سے استفادہ کرنے لگے۔قسمت کی یاوری کہ جدھر جاتے علم کے سوتے بہتے ملتے،آپ بھرپور انداز میں ان سے فیض یاب ہوتے۔آپ نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا کہ مجھے امام بخاری کی تصنیف جلیل بخاری شریف نے بہت ہی متاثر کیا ہے۔

احادیث کے موضوع پر اپنی کتابوں میں بعینہ روایت کردہ طریقے کے مطابق آپ نے رسول اللہ کے قول وفعل کو منطبق کرنے کی نہایت ماہرانہ سعی فرمائی ہے۔اور اہل ایمان کے درمیان کسی شک وتردد کے راہ نہ پانے کی خاطر آپ نے ایک حرف بھی نہیں بدلا ہے۔آپ نے کوئی تین لاکھ احادیث مبارکہ کا ایک دل آویز مجموعہ اکٹھا کیا مگر اپنی جامع میں محض تین ہزار تیس (۳۰۳۰) حدیثوں ہی کو جگہ دی، آپ کا وہ مبارک کارنامہ آج ''صحیح مسلم'' کے نام سے مشہور ہے جو صحیح بخاری کے بعد احادیث کا دوسرا معتبر ترین مجموعہ تصور کیا جاتا ہے۔صدیوں سے آپ کی کتاب صحاح ستہ کے دوسرے مجموعہ کا کام دے رہی ہے۔ آپ کے استاد گرامی عبدالوہاب فراغ کا آپ کے بارے میں کہنا ہے کہ مسلم عوام الناس کے عالم،اور علم کا خزانہ ہیں، مجھے آپ کی کسی ایسی صفت کا علم نہیں جو قابل ستائش نہ ہو۔

امام ترمذی :

امام ترمذی ۲۰۹ھ میں ماوراءالنہر کے شہر 'ترمذ' میں پیدا ہوئے۔آپ کی بنیادی تعلیم امام بخاری کے جائے پیدائش ''بخارہ'' میں ہوئی،نیز خراسان،عراق اور حجاز سے بھی اکتساب علم وفیض کیا۔آپ نے امام مسلم اور امام بخاری سے بھی احادیث کے اسرار ورموز سیکھے۔

امام ترمذی نے خود کو صرف احادیث کی ذخیرہ اندوزی تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ احادیث کی تعلیم کے فروغ میں بھی بھرپور حصہ لیا۔آپ کا مجموعہ احادیث ''سنن ترمذی'' تین ہزار نوسو باسٹھ (۳۹۶۲) حدیثوں پر مشتمل ہے۔یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک عظیم الشان اور مستند کتاب جانی جاتی ہے۔سنن ترمذی اور احادیث کے دوسرے مجموعوں کے درمیان اہم ترین امتیاز موضوعات کی منظم ترتیب ہے۔اس کتاب کے اندر ہر چھوٹے بڑے ہر موضوع کو جداگانہ ترتیب دے کر کسی بھی ذہنی انتشار سے بچنے کا سامان کیا گیا ہے۔

کتاب کو مرتب کرنے کی آپ کی صلاحیت اور پھر ان کو ایسے طریقے سے منظم کرنا تاکہ ایک مسلمان قاری کے لیے علم

کہ ابواب کی تلاش آسان تر ہو یقیناً آپ ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ نے صحابۂ کرام سے متعلق پہلی تفصیلی کتاب تصنیف فرمائی۔

امام ابو داؤد :

امام ابو داؤد ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری و مسلم کی طرح آپ نے بھی اپنے وقت کے علم و حکمت کے موتی لٹاتے خطوں کا سفر کیا اور پچاس سے زیادہ متبحرین اُمت علما سے اکتسابِ علم و نور کیا۔ آپ نے امام بخاری و مسلم کے مجموعہائے احادیث سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ نے ایسی تفصیلی کتابوں کی تکمیل فرمائی کہ پیش آمدہ لوگوں کے لیے آپ کی تصانیف سے استفادہ کرنا آسان ہو۔ بہت سے مسائل میں علما نے آپ کو داد و دہش دی ہے، اور عالم باعمل کی حیثیت سے آپ کی شخصیت کو متعارف کرایا ہے۔

پانچ لاکھ احادیث میں سے آپ نے ''سنن داؤد'' کے اندر محض چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) احادیث شامل کی ہیں۔ انتخابِ حدیث میں آپ نے قانون کے مسائل اور فتویٰ جاری کرنے والوں کو ترجیح دی۔ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے محققین کے درمیان آپ کی کتابیں قبولیت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

امام نسائی :

امام نسائی ۲۲۵ھ میں خراسان کے اندر پیدا ہوئے۔ آپ نے دینی تعلیمات کے مختلف مراکز تک کا شوقِ علم میں رختِ سفر باندھا۔ اور علم حدیث پر مہارت تامہ رکھنے والے کئی علمائے دین سے درسِ حدیث لیتے رہے۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابیں آج بھی تشنگانِ شوق کی سیرابی کا سامان فراہم کر رہی ہیں۔ اور اسلامی روایات پر تحقیق کرنے والے مسلم و غیر مسلم شائقینِ مطالعہ حوالے کے لیے آپ کی کتابیں استعمال کر رہے ہیں۔

مصر سے دمشق میں آپ کی آمد پر اموی حکومت کے اُمرا نے آپ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، اور جب اس سے بھی جی نہ بھرا تو بالآخر آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی قبر کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان ہے مگر اس کی تصدیق کسی معتبر ذریعہ سے نہیں ہوئی۔

موضوعِ حدیث پر آپ کی کتاب المجتبیٰ دوسری کتابوں سے زیادہ عمدہ اور مستند مجموعہ ہے۔ یہ صحاحِ ستہ میں تیسرے درجے پر آتی ہے۔

امام ابن ماجہ :

امام ابن ماجہ ۲۰۹ھ میں قزوین میں پیدا ہوئے۔ دوسرے محدثین کی طرح آپ نے بھی طلبِ علم کے سلسلے میں خراسان، بصرہ، مکہ، دمشق اور مصر کی خاک چھانی تا کہ حدیث کے رموز و اسرار پر کما حقہ مطلع ہوا جا سکے۔ سنن ابن ماجہ کی طرح آپ نے تفسیر و تاریخ کے موضوعات پر بھی اپنی تصانیف کا گراں مایہ سرمایہ چھوڑا ہے۔ آپ کی مشہور ترین کتاب صحاحِ ستہ میں

چھٹے درجے پر آتی ہے۔ بعض علما نے امام مالک کی موطا کو چھٹے درجے پر فائز جانا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں کل چار ہزار تین سو اکتالیس (۴۳۴۱) احادیث ہیں۔ جن میں ایک ہزار ایک سو انتالیس (۱۱۳۹) حدیثیں ایسی ہیں جن کا آپ کے علاوہ کسی اور نے استعمال نہیں کیا ہے۔

امام غزالی:

حجۃ الاسلام ابو حامد محمد ابن محمد الغزالی پوری اسلامی تاریخ میں فقہ وتصوف کی نوک وپلک سنوارنے والے علما میں نمایاں حیثیت اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء میں طوس کے مردم خیز علاقے میں پیدا ہوئے؛ جو آج ایران کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اگر چہ آپ کے والد گرامی کی معاشی صورتحال خاطر خواہ نہ تھی لیکن انھوں نے آپ کی بہترین تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور اس کے لیے ہر قسم کی تکلیف اٹھائی۔

طوس میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد امام غزالی مزید علم کی تلاش میں کورگن تشریف لے گئے۔ اناطولیہ میں سیاسی حکومت کے تزلزل سے آپ بھی متاثر ہوئے؛ نتیجتاً آپ نے نیشاپور کی طرف ہجرت کی اور مشہور عالم دین ابو المعالی الجوینی کے حلقۂ درس سے متعلق ہو گئے۔ اپنے مشفق استاد کے سانحۂ ارتحال کے بعد نظام الملک طوسی نے مدرسہ نظامیہ میں آپ کو صدر مدرس کے طور پر مقرر کر دیا۔ بہت ہی قلیل مدت میں امام غزالی لوگوں کے دلوں میں اپنی مقبولیت کا چراغ روشن کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور روز بروز آپ کے تلامذہ کی فہرست میں خوش کوار اضافہ ہوتا رہا۔

۴۸۸ھ میں علالت کے سبب آپ کو مدرسہ سے دست بردار ہونا پڑا اور کوئی دس سال تک آپ لوگوں کی نگاہوں سے روپوش رہے۔ یہ ایام گزارنے کے بعد آپ پھر بغداد میں اپنے طلبہ کے درمیان حاضر ہو گئے۔ اور اپنی مشہور زمانہ کتاب ''احیاء علوم الدین'' کے اسرار ونکات ان پر وا کرتے رہے۔ جب اناطولیہ میں مسلمانوں کے اتحاد کا شیرازہ منتشر ہونے لگا تو سلجوقی وزیر نے آپ کو طوس واپس بلایا۔ سلطان سنجر کی سرپرستی میں آئندہ بارہ سال کے لیے تمام میسرہ مواقع آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ آپ نے تعلیم وتربیت اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء میں دنیا کی بزم کمال آپ کے وجودِ مسعود سے خالی ہو گئی۔

امام غزالی کے افکار وآرا نے اسلامی معتقدات کی تاریخ میں ایک صالح انقلاب برپا کیا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ نے اُن نظریات وعقائد کے خلاف انتھک کوشش شروع کی جو معتقداتِ اہل سنت سے متضاد تھے۔ اور ان تحریکوں کے تار وپود بکھیر کر رکھ دینے میں کوئی کسر روا نہ رکھی جن کی بابت آپ کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف لے جا رہی ہیں۔

امام غزالی اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "کیمیائے سعادت" میں یوں رقم طراز ہیں :

جیسا کہ ہم نے مسلمان کے خطاب والے موضوع کے بارے میں کہا ہے کہ معرفت کے اصل کی ایک اور رمزو مثال وہ ہے جس کو شخص اس سے سرفراز افرادہی سمجھتے ہیں۔ دنیا سے لاتعلق رہ کر اس میں مشغول نہ کرنے والے اور اللہ کی رضا جوئی کے بغیر کوئی اور مقصد نہ رکھنے والے ہی اس حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں؛ مگر یہ ایک دشوار گزار اور جہد مسلسل سے عبارت وادی ہے، مگر اسے بجا طور پر ہر ایک کی غذا کہا جا سکتا ہے۔ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے جن لوگوں نے اس عقیدے کو دل میں جگہ دی ہے تو اُن کی خاطر یہ سلامتی و برکات کا سرچشمہ ثابت ہوگا۔ (کیمیائے سعادت)

امام غزالی کی چند مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں :

۱: احیاء علوم الدین: یہ امام غزالی کی مشہور و مقبول کتاب ہے۔ جو فقہ و تصوف کے موضوعات پر اپنی نوعیت کی واحد تصنیف ہے۔ اس کے مرکزی اجزا میں چار کتابیں ہیں جو مجموعی طور پر چالیس کتابوں پر مشتمل ہیں۔

اپنی اشاعت کے روزِ اوّل سے یہ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

۲: الاقتصاد فی الاعتقاد: یہ کتاب ایمان و عقیدہ سے متعلق ہے۔

۳: تہافتہ الفلاسفہ: یہ ارسطو کے فلسفے پر انتقادات کا مجموعہ مرکب ہے۔

۴: کیمیائے سعادت: اس کا تعلق ایمان و اعمال اور اخلاق و تصوف سے ہے۔

۵: بدایۃ الہدایہ: یہ دین و اخلاق کے مبادیات پر تحریر کردہ ایک عام فہم اور معلومات بخش کتاب ہے۔

امام غزالی مجموعی طور پر چھوٹی بڑی ۷۵ گراں قدر کتابوں کے مصنف ہیں۔

ایر زوروم کے سید ابراھیم حقی :

سید ابراہیم حقی –۱۷۰۳ء– میں ایرزورم کے علاقے حسن قلعہ میں پیدا ہوئے۔ چوں کہ آپ کا شجرۂ جدی رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا تھا اس وجہ سے آپ والدہ ماجدہ کی طرف سے سید ہیں۔

حضرت ابراہیم حقی نے اپنے والد ماجد کے ساتھ سیرت کے علاقے طلاؑ کے سفر کے دوران اسماعیل فقیر اللہ سے شرف ملاقات حاصل کی اور کچھ وقت ان کی صحبت میں گزارا۔ اپنے والد درویش عثمان آفندی کی وفات پر حقی کو ایرزورم واپس آنا پڑا، اور آپ نے اپنے سلسلہ تعلیمی کا پھر وہیں سے آغاز تو کیا جہاں پر اپنی ابتدائی زندگی میں چھوڑا تھا۔ آپ نے مفتی ایرزورم محمد حاذق سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ ترکی، عربی اور فارسی زبانوں میں آپ کو ایسا ملکہ حاصل ہوگیا کہ آپ ان تینوں زبانوں میں خوبصورت اور معنی خیز اشعار لکھنے کے قابل ہوگئے۔

–۱۷۲۹ء– میں آپ سیرت کے علاقے کی طرف پھر لوٹے اور مدتوں اسماعیل فقیر کے درس میں شریک رہے آخر کار اُن کی صاحبزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر اپنے استاد کی شرف دامادی حاصل کر لی۔ –۱۷۲۹ء– میں حج سے

واپسی پر آپ نے ''لب القطب'' نامی کتاب لکھی جو عہد ماضی کے عظیم وجلیل علماے اسلام کے شہ پاروں سے مزین ایک خوبصورت دستاویز ہے۔

-۱۷۴۷ء- میں سلطان محمود اوّل نے آپ کو عہدۂ قضا پیش کیا، اس دوران آپ کو شاہی کتب خانہ سے بھرپور استفادہ کا زریں موقع ہاتھ آیا۔ استنبول سے ایرزورم واپسی پر آپ نے مختصر رسالے تصنیف کرنے کا آغاز فرمایا، استنبول کے دوسرے سفر سے واپسی پر آپ حسن قلعہ میں اپنے گھر واپس ہوئے، اور خود کو کتب نویسی کے لیے وقف کردیا۔ اپنے دوسرے حج کے موقع پر ازمیر، دمشق، مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے مشہور و معروف علماے دین سے رابطہ کر کے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال فرمایا۔

اپنے مختلف اسفار سے واپسی پر آپ نے 'معرفت نامہ' کے نام سے ایک مشہور کتاب لکھی، اس کے علاوہ آپ نے ۵۴ کے قریب کتابوں کا تحفہ زریں بھی اخلاف کے لیے چھوڑا ہے۔

-۱۷۸۰ء- میں سیرت کے مقام پر آپ کا انتقال ہوا، اور آپ کو اپنے استاد شیخ اسماعیل فقیر اللہ کے لیے تعمیر شدہ مقبرہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔

سید ابراہیم حقی کے چند اقوال کے اقتباسات درج ذیل ہیں :

بہترین اخلاق یہ ہے کہ آپ اُس شخص کے پاس جائیں جو آپ کے پاس نہیں آتا۔

ظالم کو معاف کرنا آپ کے حق میں بہتر ہے، سچ بولا کریں، ایفائے عہد کیا کریں، نیکیاں خفیہ طور پر کیا کریں، بد فطرت سے دوری بنائے رکھیں۔

ہر کسی کو سلام محبت پیش کرنا بہترین اخلاقی صفت ہے۔ حیا وسیلہ زیادت ہے۔ عظیم ترین حکمت یہ ہے کہ لوگوں سے عمدہ برتاؤ کیا جائے۔ دوسروں کی غیبت چینی اپنے نقائص کو موردِ موضوع بننے کا سبب ہے۔ نصیحت پر عمل پیرا ہو کر ذلت ورسوائی سے بچا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت منع ہے۔ جھوٹ بولنے والوں سے کبھی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگر آپ دوسروں کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو آپ خود بھی شیریں کلام ہو کر دوسروں کو لطف اندوز کریں۔ معافی کے طلب گاروں کے لیے معافی کا سامان کیا کریں۔ بڑوں کے ساتھ احترام واکرام سے پیش آئیں تاکہ چھوٹے آپ سے عزت واحترام کا برتاؤ کریں۔ بہترین خزانہ لوگوں کے دلوں میں ''محبت'' ہے۔ (معرفت نامہ)

امام ربانی :

امام ربانی کا اسم گرامی احمد سرہندی الفاروقی تھا۔ آپ -۱۵۶۴ھ- میں ہندوستان کے سرہند نامی قصبہ میں تولد ہوئے۔ والد ماجد کی طرف سے آپ کا شجرۂ نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروق -رضی اللہ عنہ- سے جاملتا ہے۔ اس وجہ سے آپ فاروقی کے مبارک لقب سے ملقب تھے۔

اہل سنت کے نزدیک تصوف کے میدان میں آپ کا ایک اعلیٰ مقام ہے۔ آپ نے تصوف کی تعلیمات نقش بندی شیخ محمد الباقی باللہ سے حاصل کیں۔ مغل بادشاہ جہانگیر سے آپ کے اختلافات ہونے لگے، اور آپ پر ''اساسِ عقیدہ کو ٹھیس پہنچانے'' کا الزام تراشا گیا؛ جس کی پاداش میں ۱۰۱۹ھ میں قلعہ گوالیار میں آپ پابند سلاسل کر دیے گئے۔

چوں کہ آپ عقیدۂ اہل سنت کے حامی و موید تھے اور ہر قسم کی مبتدعانہ تحریکوں کے نہ صرف سخت مخالف تھے بلکہ اس سلسلہ میں آپ نے تجدیدی کارنامے بھی انجام دیے؛ اس لیے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' کے معزز خطاب سے نوازا گیا۔ اپنے احباب و تلامذہ کے نام لکھے گئے آپ کے مکاتیب کا مجموعہ بنام ''مکتوباتِ الف ثانی'' علم تصوف کا ایک عظیم سرمایہ ہے۔

مکتوبات مجدد سے چند اقتباسات :

دین کی بنیاد عقیدہ ہے؛ لہٰذا اس کی اصلاح بہر حال ضروری ہے۔ اور یہ اصلاح اہل سنت و جماعت یعنی اصحاب الجنۃ کے طرز پر ہونی چاہیے۔ اعمال میں کچھ خامی ہو تو امید مغفرت رکھی جا سکتی ہے مگر عقیدے کے بگاڑ میں معافی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دارین کی سعادت کی ضمانت محض اتباع رسول سے ممکن ہے اور آپ کی اتباع کے لیے لوگوں میں شرعی احکام کی تعمیل و تنفیذ ضروری ہے۔ کفر کی صفات و علامات سے ان کو پاک کرنا لازمی امر ہے۔

نیکیوں کے بیج بونے کا بہترین وقت عنفوانِ شباب ہے۔ ایک پرہیز گار انسان اس دور کی اہمیت کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہے اور کسی طور ضائع نہیں ہونے دیتا۔ بڑھاپا ہر ایک پر نہیں آتا اور اگر بڑھاپے کو پا بھی لے تو خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر خود کو سنبھال بھی لے تو ہر نیکی بجالانے کی اس میں قدرت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ بڑھاپا ضعف و ناتوانی کا دور ہوتا ہے۔

........ان ۷۳ میں سے ہر ایک فرقہ دین پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور ہر ایک گروہ اپنی پشت پر فرقہ ناجیہ کا لیبل لگائے پھر رہا ہے۔ سورۂ مومنون کی ترپنویں اور سورۂ روم کی بتیسویں آیت میں اعلانِ خداوندی ہے :

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ٥

تاہم ان تہتر فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ کی نشان دہی زبانِ رسالت نے یوں بیان فرمائی ہے :

یہ فرقہ میری اور میرے صحابہ کی سنت پر کاربند ہوگا۔

اپنا ذکر کرنے کے بعد آپ کو اصحابِ کرام کے تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر چوں کہ آپ نے بطورِ خاص ذکر فرمایا تو اس میں کوئی اہم راز و فلسفہ ضرور مضمر ہوگا ''میرے اصحاب میری ہی سنت پر عمل پیرا ہیں اس لیے سلامتی کا راستہ وہی ہے جس پر میرے صحابہ جادہ پیما ہیں''۔

اتباعِ صحابہ کے بغیر اتباعِ رسول کا دعویٰ کھوکھلا ہے۔........ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہو کر کہی جا سکتی ہے کہ آپ کے اصحاب کی اتباع کرنے والے اہل سنت و جماعت ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس راہِ راست کے مسافروں کو خیر کثیر اور اجر

جزیل عطا فرمائے جنھوں نے خوف وخطر کی پرواہ کیے بغیر انتھک کوششیں کیں۔ بلاشبہ جہنم سے نجات پانے والا گروہ صرف اور صرف یہی ہے۔ ان پر لعن طعن کرنے والے ان کی اتباع سے محروم رہتے ہیں۔ شیعہ اور خوارج کا یہی شیوہ رہا ہے۔

یہ شر طبعد میں ابھر کر آنے والے مسلک اعتزال پر بھی نافذ ہوتی ہے۔ اہل سنت وجماعت کی رکنیت نہ رکھنے والے دوسرے گروہ کے موازنہ کا طریقہ یہی ہے۔ (مکتوباتِ ربانی)

سید شیخ عبد القادر جیلانی :

آپ کی کنیت ابومحمد ہے، نیز آپ محی الدین، قطب ربانی، غوث الاعظم اور سلطان الاولیاوغیرہ کے اسمائے گرامی سے بھی مشہور ومعروف ہیں۔ اور (نجیب الطرفین) سید وشریف ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۔۷۰ ۴ھ۔ میں فارس کے صوبہ جیلان میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز اسی قصبہ میں ہوا، پھر بعد میں جیلان سے بغداد کا رخت سفر باندھا، جہاں پر آپ نے اپنے تعلیمی سلسلے کو جلا بخشا۔ حنبلی مذہب کا انتخاب فرما کر آپ نے اپنی پوری توجہ فقہ حنبلی پر مرکوز کردی نیز تصوف کے اسرار ولطائف سے بھی فیض آشنا ہوتے رہے۔ آپ نے مدرسہ ابوسعید میں تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ مشہور زمانہ سلسلہ 'قادریہ' آپ ہی کا ایجاد کردہ اور آپ ہی کے اسم گرامی قدر سے معنون ہے۔

نسلاً بعد نسل صدیوں کے تواتر سے ہمارے ہاتھ لگنے والے آپ کے تحریری شہ پاروں میں غنیۃ الطالبین، فتح الربانی، اور فتوح الغیب کافی شہرت رکھتی ہیں۔ آپ کی بیشتر کتابیں آپ کے روحانی وعرفانی مواعظ وخطبات کا مجموعہ ہیں۔ ۔۱۱۶۶ھ۔ میں بغداد کے اندر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بغداد کے اندر آپ کی تربت اقدس آج بھی مرجع خلائق ہے۔

آپ کے مکتوبات درج ذیل ہیں :

قرآن پر عمل آپ کو درجۂ قرآن پر پہنچا کر وہی پایۂ ثبوت عطا کرتا ہے۔ سنت نبوی پر عمل آپ کو اسرار نبوت سے آشنا کردیتا ہے۔ اپنی قلبی وروحانی حمایت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا اولیاء اللہ کے دلوں سے ایک لمحہ کے لیے بھی جدا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اولیاء اللہ کے دل انوار الٰہیہ کا خزینہ ہوتے ہیں، ان کا باطن سراپا تزکیہ اور نہایت پاکیزہ ہوتا ہے، اور انھیں خوف وغم کی کسی آندھی کی پرواہ نہیں ہوتی۔

اللہ رب العزت کو یاد کرتے رہیں تا کہ وہ بھی آپ کو یاد کرے۔ ذکر الٰہی سے صفائے قلب، طہارتِ باطن کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اگر آپ نے گناہوں سے کنارہ کش ہوکر فرماں بردار مومنوں کا شعار وکردار اپنائے رکھا تو ایسے حال میں وہ یقیناً آپ کو اپنی شان کے مطابق یاد فرمائے گا، پھر یہ یادیں آپ کا ایسا ہجوم کرلیں گی کہ آپ ہر چیز سے بے نیاز ہوجائیں گے اور کسی چیز کی پھر حاجت نہ رہ جائے گی۔ اور یہی آپ کا مطلوب ومقصود ہوجائے گا۔

اے لوگو! اسلام روتا ہے۔ اس نے اپنا سر اس کے ہاتھوں میں رکھا ہے۔ فاجر، فساق، مبتدعین اور ان ستم کاروں نے

اسے محاصرہ کر رکھا ہے جو جھوٹی گواہی پیش کرتے ہیں، اور اپنے نیکوکاری کا دعویٰ کرتے ہیں جب کہ وہ اس صفت سے عاری ہیں۔ ایسے بدکاروں کے خلاف یہ پاک اور مخلص مسلمانوں کی نصرت وحمایت کا طلب گار ہے۔

اپنے کھانے پینے کو آخری لقمہ وگھونٹ تصور کرو۔ اپنے اہل وعیال سے ملاقات کو آخری دید خیال کیا کرو۔ اپنے مسلمان بھائیوں کی ملاقات کو الوداعی سمجھو۔ جب تمہاری تقدیر کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہے تو تم خود کو تسلیم اور الوداعی حالت میں کیوں کر نہ پاؤں گے۔ تم کو خبر نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ معاملات کا خاتمہ کیسے ہوگا اور تقدیر تمہیں کہاں سے کہاں لے جائے گی۔

اس لیے سچے دل سے توبہ کرلو اور آئندہ گناہوں سے کنارہ کشی کی ٹھان لو۔ اور اپنے مالک حقیقی کی طرف دوڑو۔ جب بھی توبہ کرنا ہو تو ظاہر وباطن دونوں کو گواہ بنا کر توبہ کیا کرو۔ توبہ کی قبولیت یہی ہے کہ اللہ کی نگاہوں میں مقبول ہو جاؤ۔ گناہوں کا لبادہ اتار کر توبۃ النصوح اور اللہ سے حیا کا لباس زیب تن کرلو۔

احکام الٰہی سے رشتہ ذکر وفکر کاٹ دینے والے اور دنیاوی معاملات میں الجھا کر رکھ دینے والے جملہ اسباب کو برطرف کردو۔ اور اللہ کے غضب وقہر سے بچنے کی تدبیر کرتے رہو۔ یہ بات یقینی ہے کہ تمہیں بہت جلد اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرنا ہے۔ موت تمہیں اپنے چنگل میں لے کر ایک ایسی ذات کے روبرو کردے گی جس کی گرفت بہت سخت اور نہایت دردناک ہے۔ آنکھ کی جھپک میں آپ کو سب چیزوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

حضرت شاہ نقشبندی :

حضرت شاہ نقش بند ۱۳۱۸ء–۱۳۸۹ء میں بخارا کی کسی قریبی جگہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام محمد بہاء الدین اویس بخاری ہے۔ آپ کی روحانی وعرفانی تربیت خواجگان طریقت کے شیخ محمد بابا السمسی کی چوکھٹ پر ہوئی۔ شاہ نقشبند نے عالم جوانی میں سمرقند کے لیے شدِ رحال فرمایا۔ آپ مذہب حنفی کے مقلد تھے۔ علم واخلاق کے موضوعات پر آپ کے خطبات وکتب آج بھی اہل اسلام کی علمی وروحانی پیاس بجھا رہی ہیں۔

ہندوستان میں طریقہ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت کا سہرہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے سر ہے۔ فتح استنبول کے بعد عثمانی حکمرانوں نے ترکی میں یہی سلسلہ نافذ ورائج کیا۔ استنبول کے گردونواح میں بہت سی نقش بندی درگاہوں کی موجودگی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سلسلہ وہاں کس قدر مقبول انام تھا۔

شاہ نقش بند نے اپنی پوری زندگی جس حقیقت کو بے نقاب کیا وہ اسلام کے عمود ہیں۔ یعنی جو لوگ کتاب اللہ سے اپنا رشتہ وتعلق نہیں جوڑتے اور سنت نبوی کی خوشبوئے اتباع سے اپنا صحن زندگی نہیں مہکاتے، ان کے لیے حصول نجات کے سارے دروازے بند ہیں۔ اس سے قرآن وسنت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یقیناً کتاب وسنت سے دوری لوگوں کے لیے آخرت میں نہایت خسارے کا سودہ ثابت ہوگی۔ اگر کوئی بدبخت قرآن وسنت کی اتباع وپیروی چھوڑ کر کسی اور کے پیچھے ہولے

تو اس کی ہلاکت و بربادی میں کس کو شک ہو سکتا ہے!۔ شاہ نقشبند نے اپنی ایک کتاب میں حضور اقدس ﷺ سے اظہارِ محبت وعقیدت کی بات یوں کی ہے :

میں (پوری زندگی حتی المقدور) اسوۂ رسول پر عمل پیرا رہا، اور کسی سنت کو برتنے میں کسی غفلت کو راہ نہ دی۔ میں نے تقاضائے سنت پورے کیے اور اس کے ثمرات وفوائد سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ میں نے اعمالِ نبوی کو اپنی نس نس میں اُتار لیا ہے۔

مولانا خالد بغدادی :

مولانا خالد بغدادی- ۱۷۷۸ء- میں بغداد کے قریب شاہ رزور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے کئی مشہور علمائے کرام سے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے شیخ کی وفات کے بعد اُن کی مسندِ علم آپ نے خود سجائی اور ان کے تلامذہ کو آپ خود مستفید کرتے رہے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ درس سے متعلق تھے۔ آٹھ سال کی پڑھائی کے بعد آپ نے دمشق اور پھر وہاں سے حجاز کا سفر شوق کیا۔ -۱۸۰۹ء- میں شیخ عبداللہ دہلوی نے آپ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی، جہاں پہنچ کر آپ نے تکمیلِ تعلیم فرمائی اور پھر بغداد واپس ہوگئے۔ -۱۸۲۶ء- میں دمشق کی سرزمین پر آپ کی وفات ہوئی۔ فقہ حنفی کے مشہور زمانہ عالم دین علامہ ابن عابدین شامی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مولانا خالد نے اپنی کتاب کے دیباچے کا آغاز مکتوباتِ ربانی کے درج ذیل حوالے سے کیا ہے :

ذرا آپ اس بات پر سنجیدگی سے غور وخوض کرنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جس کا سحابِ رحمت ہر کس وناکس کو سیراب کر رہا ہے۔ وہی سب کا خالق ومالک ہے۔ اور ہر آن جملہ موجودات پر نگہبان ہے۔ مخلوق کے اندر پائی جانے والی اعلیٰ وعمدہ صفات عطیہ الٰہی کی مظہر ہیں۔ جنت کی دائمی نعمتوں سے شادکام ہونے اور اس کی سرمدی مسرت نیز محبت ورضائے الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رشتہ غلامی اور نسبت یگانہ اُستوار کرلی جائے اور یہی فرمانِ خداوندی ہے۔

دم میں جب تک دم رہے اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پر سختی سے کاربند رہیں۔ ذکر الٰہی کو قائم ودائم رکھیں۔ (معراج عبودیت یہ ہے کہ) خود کو خالق کی پناہ وحمایت کے حوالے کردیں۔ دنیائے فانی کی سحر طرازیوں میں کھو کر آخرت کی حیاتِ دائمی کو فراموش نہ کر بیٹھیں، بلکہ آنے والی سرمدی زندگی کی ہمہ وقت فکر کریں۔ خود کو موت، قبر کی تنہائی اور روزِ جزا کے لیے ہر وقت آمادہ وتیار رکھیں۔ سنت نبوی کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔ بدعتوں سے دور بھاگیں۔ اہل اسلام کی فوز وفلاح اور دشمنانِ دین ومرتدین کی ہلاکت وفلاکت کے لیے دست بدعا رہیں۔

(یہ مولانا خالد کے ایک مکتوب کے کچھ اقتباسات تھے جو انھوں نے دیارِ بکر کے علاقے سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک سچے دوست کے نام تحریر کیے۔)

احمد ضیاء الدین گمشخانوی :

احمد ضیاء الدین ۱۸۱۳ء میں گمشخانی میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی ننھی عمر میں آپ کو ترزون لایا گیا جہاں پر آپ نے شہر کے چیدہ چیدہ علما و فضلا کے حلقہ درس میں بیٹھ کر سلسلہ تعلیم کا آغاز کیا۔ برادر گرامی کے فوج کی خدمت پر بلائے جانے کے بعد آپ والد ماجد کے ساتھ تجارت کے معاملات چلاتے رہے۔ ۱۸۳۱ء میں اپنے خاندان کی مرضی کے خلاف آپ استنبول میں آباد ہو گئے جہاں پر اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو مطالعے کے ذریعہ برقرار رکھا۔ اپنے وقت کی بہت سی اہم شخصیات کے دروس و خطابات کے ذریعہ آپ متاثر ہوئے جن میں سلطان عبدالحمید دوم بھی شامل ہیں۔

گمشخانوی نے اپنی زندگی کے بائیس سال تالیف و تصنیف میں گزارے اور سولہ سال تک دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ قریباً دس لاکھ مریدوں کے زیر تعاون کی مدد سے آپ نے "تجادوا استثمار" نامی ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا۔ جس کو آپ نے ایک مطبع، اشاعتی ادارہ، اور اٹھارہ ہزار کتابوں پر مشتمل چار کتب خانے اور دوسرے موسسات بنانے کے لیے استعمال کیا۔

حضرت گمشخانوی سنت نبوی کو خصوصی مقام و مرتبہ دینے اور اپنے تلامذہ کو حدیث کا درس پیہم دینے کے حوالے سے کافی مشہور ہیں۔ پوری ترکی کے اندر کتب خانوں کا جال بچھا کر اور تعلیمی سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کر کے آپ نے مسلمانوں کی ترقی و بہبود کے لیے تمام وسیلے بروئے کار لائے۔ آپ نے سلطنت عثمان اور روسیوں کے درمیان ۱۸۷۷ء تا ۱۸۷۸ء تک لڑی جانے والی جنگ میں بھی حصہ لیا اور ترک فوج کو ہر قسم کی اخلاقی حمایت مہیا کرنے میں پوری فیاضی کا ثبوت پیش کیا۔

۱۸۸۰ء میں مصر سے وطن واپسی پر آپ نے گمشخانے والی درس گاہ اپنے جانشین حسن حلمی افندی کے حوالے کر دی اور از اں بعد آپ محض خطبہ جمعہ کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ۱۳ مئی ۱۸۹۳ء میں ضلع بیکوز کے جبل یوسا کے مقام پر آپ کا انتقال ہو گیا جہاں موسم گرما آپ خیمہ کے اندر گزارتے تھے۔ اپنے وقت کے عظیم و جلیل علما میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی معنفہ اہم کتابیں یہ ہیں :

جامع الاصول : یہ کتاب سلسلہ نقشبندیہ کے اسرار و رموز کی گرہ کشائی کرتی ہے۔ یہ کتاب مذہب اہل سنت و جماعت سے مطابقت رکھنے والی تصوف کی تمام مکاتب کے قابل قدر مواد کے مجموعے پر مشتمل ہے۔

روح العارفین : یہ اوراد و وظائف کا خوبصورت گلدستہ ہے۔

بدیع الزماں سید نورسی :

سید نورسی ۱۸۷۳ء میں نورس کے اندر پیدا ہوئے جو مشرقی ترکی کے بتلیس صوبے کا ایک چھوٹا سا خطہ ہے۔ ابھی آپ کوئی نو سال کے تھے کہ سلسلہ تعلیم کا آغاز کر دیا مگر مدرسہ کا ماحول راس نہ آنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا۔ بارہ سال کے ہوئے تو قسمت بیدار ہوئی اور خواب میں محمد عربی ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے جس میں آپ کو زیور علم سے آراستہ ہونے کی تلقین کی

گئی تھی؛ جس کے باعث آپ کو اپنی عنانِ توجہ دوبارہ درس وتدریس کی طرح موڑنی پڑی۔ مشرقی صوبوں میں آپ کا چرچہ ہونے لگا اور بدیع الزماں کے نام سے شہرت پانے لگے۔ (عجوبۂ زماں)

آپ کی زندگی کے اہم مقاصد میں سے مدرسۃ الزہرا یونیورسٹی بھی ہے جسے آپ وان کے علاقے میں قائم فرمانا چاہتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں آپ نے استنبول آ کر اپنے منصوبہ کے بارے میں سلطان عبدالحمید دوئم کو آگاہ کیا لیکن ہر ممکن کوشش کے باوجود اُن کی رضامندی ہاتھ نہ آئی۔ اس کے بعد آپ نے استنبول کے فاتح علاقے میں بیکیر کی ہان میں ایک کمرہ لیا اور وہیں رہائش پذیر ہو گئے۔

۳۱ مارچ کو وقوع پذیر ہونے والے واقعات گرچہ آپ ملوث نہ تھے تاہم آپ کو بھی گرفتار کرلیا گیا لیکن بعد میں آپ رہا کر دیے گئے۔ ۳۱ مارچ والے واقعہ کے بعد آپ نے استنبول کو خیر آباد کہہ دیا۔ اور پھر وان سے طبلیسی، دمشق، بیروت اور ازمیر کا سفر کرتے ہوئے آپ نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ پہلی جنگ عظیم چھڑتے ہی آپ نے تشکیلات مخصوصہ (حکومت عثمانیہ کے مخابراتی ادارے) میں شمولیت اختیار کرلی۔ ۱۹۱۶ء میں پاسنلر کے مقام پر بطور ملیشیا کمانڈر کے آپ جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ بالشیویک انقلاب کے دوران اس ملک کے اندر بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر آپ وہاں سے بھاگ کر بڑی مشکلوں کے بعد استنبول پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

شیخ سید کی بغاوت سے سید نورسی کی زندگی نے ایک نیا رخ اختیار کیا جس کی آپ درحقیقت نصرت وحمایت نہیں چاہتے تھے۔ سید نورسی اس بغاوت کے حامی نہ ہونے کی وجوہات یوں بیان کرتے ہیں:

> ترک قوم نے کئی صدیوں سے اسلام کے پرچم کو اٹھائے رکھنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس قوم نے بہت سے ولیوں اور شہیدوں کو جنم دیا ہے۔ ایسے عظیم قوم کے جانباز فرزندوں پر تلوار اٹھانا کسی طرح روا نہیں۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں لڑنی چاہیے۔ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تلوار محض خارجی دشمن کے لیے نیام سے باہر نکالی جانی چاہیے خود اپنی قوم کے لیے نہیں۔ اس وقت ہماری سلامتی کا راز ایمان کے تقاضوں اور قرآن سے رشد وہدایت اور روشنی کا حصول ہے۔ ہمیں اپنے عظیم ترین دشمن جہالت کو ختم کرنا ہے۔ اسلام مخالف قوتوں کے ناپاک سلسلے کو بند کرنا ہے کیوں کہ اس کے نتائج نہایت ضرررساں ہوں گے۔ یہ بات یقینی ہے کہ چند ڈاکوؤں کی خاطر ہزاروں بے گناہ مرد وزن ہلاکت کی بھینٹ چڑھ جائیں گے۔

ضلع کے بہت سے عمائدین کے ساتھ بدیع الزماں کے خلاف بھی سرکاری تحقیق وتجسس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بعد میں آپ اگریدیہ کے گاؤں برلہ منتقل کر دیے گئے۔ اس گاؤں کی پرسکون فضاؤں میں آپ نے قرآن کریم کی مشہور تفسیر "مجموعہ رسائل النور" کا تین چوتھائی حصہ قلم بند کر دیا۔

مریدوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ آپ کو اسکی شہر روانہ کر دیا گیا جہاں آپ پر دوبارہ مقدمہ چل پڑا اور آخر میں کوئی

گیارہ مہینہ کی سزا آپ کو سنائی گئی۔ صعوبتوں کا یہ سلسلہ آپ پر دراز ہوتا رہا۔ ۱۹۴۳ء میں آپ کو برلہ سے اسپارٹا روانہ کیا گیا۔ اپنے ایک سو بیس (۱۲۰) رفقا کے ساتھ سزا کی مدت ختم ہوتے ہی آپ کو کستمانو بھیج دیا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں دوبارہ گرفتاری عمل میں آئی اور آپ انقرہ روانہ کر دیے گئے۔ اس کے بعد اسپرتا اور دینیزلی میں آپ کے خلاف تحقیقات کا سلسلہ جاری ہوا، سو سے زیادہ ساتھیوں سمیت نو مہینے کی قید با مشقت کاٹنے کے بعد آپ تمام الزامات سے بری قرار دیے گئے۔ براءت کے فیصلے کے باوجود آپ کی مشکلات میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ بیس مہینہ کی قید کی جو سزا سنائی گئی تھی اس کو عدالت عالیہ نے لغو قرار دیا۔

۱۹۵۱ء میں جب ایک رسالے میں شائع کیے گئے ایک مقالے کے الزام میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا تو آپ کو اس دوران ایک بار پھر استنبول آنے کا موقع ملا۔ ۲۷ رسال تک آپ کو اس شہر میں جانے سے روکے رکھا گیا پھر دوبارہ آپ بری قرار دیے گئے۔

۱۹۵۶ء میں مجموعہ رسالۃ النور کی اشاعت کی اجازت ملی؛ کیوں کہ اس میں کسی کو جرح و نقد کے قابل کوئی پہلو نظر نہیں آیا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا اور استنبول سے عرفہ تک کا طویل سفر طے کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ ۲۷ رمئی کی بغاوت کے بعد جہاز کے ذریعہ آپ کی نعش عرفہ سے اسپارٹہ لائی گئی جہاں کسی نامعلوم مقام پر آپ کو سپرد خاک کر دیے گئے۔

آپ کے کارنامے :

- الفاظ
- مکتوبات
- مجموعۃ الانوار
- مجموعۃ الاشعہ
- مثنوی النوریہ
- عصائے موسیٰ
- مکتوبات کستمونو
- مکتوبات برلہ
- مکتوبات امیر دہ
- علامات خارقہ
- غیب مہر صادقہ
- خطبہ دمشق

۱- ایک مکتب مصیبتیں شہادت نامہ کی

آپ کی کتابوں سے چند اقتباسات :

اتباع سنت یقیناً انتہائی اہم کام ہے بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ بدعت کا دور دورہ ہو اتباع سنت کی اہمیت مزید دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ امت کے اندر عناد و فساد کی بادِ سموم چل رہی ہو سنت کے اخلاقی اصول پر عمل پیرا ہونا پاکبازی اور راسخ الایمانی کی علامت ہے۔ (مثنوی النوریہ: ۲۸)

میں سنت کو آسمان سے لٹکنے والی رسی اور وہاں تک پہنچانے والا وسیلہ سمجھتا ہوں؛ اس سے چمٹ رہنے والا چڑھ کر سرمدی سرتوں کے مزے اڑاتا ہے۔ اور اس پر معترض ہو کر اپنی عقل و فکر کا سہارا لیتے ہیں وہ آگے چل کر فرعون بن جاتے ہیں۔ جس نے حماقت کی انتہا کر کے آسمانوں پر چڑھنے کے لیے لمبے مینار بنائے۔ (مثنوی النوریہ: ۴۷)

ہمارے خالق و مالک پروردگار نے ہمیں محمد سا رسول عطا فرمایا جنھیں مرشد اکبر، رہبر اعظم اور قائد مطلق کہا جائے تب بھی کم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو نبیوں کا خاتم بنا کر مبعوث فرمایا۔ (عصائے موسیٰ: ۴۳)

محمد کا وجود دنیائے اسلام کے لیے ایک قوی درخت کا وسیلہ، حیات، بیج اور ذریعہ تھا۔ (انوار، نور الثلاثین)

بہترین، حق ترین، روشن ترین اور غنی ترین طریق ہدایت، سنت نبوی کی اتباع ہے۔ (مکتوبات)

اسلامی دنیا کے اندر سر اٹھانے والی نئی اور مبتدعانہ تحریکیں بالکل اسی طرح خطرناک ہیں جس طرح خارجی تحریکیں۔ بدیع الزماں نورسی نے ان داخلی خطرات کو درج ذیل انداز میں بیان کیا ہے :

اسلام کو درپیش خطرات و مسائل میرے رنج کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ماضی میں چوں کہ خارجی خطرات ہوا کرتے تھے اس لیے ان کا مقابلہ نسبتاً آسان تھا لیکن اب یہ فتنے درونِ خانہ سے اٹھتے ہیں جن کا دفاع قدرے مشکل ہے۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اس معاشرت کے دوستوران کے متحمل نہیں ہو سکتے کیوں کہ یہ دشمنوں کو محسوس نہیں کرتا اس کے عظیم ترین دشمن نے اپنے مہم کا آغاز کر رکھا ہے جو اس کے خون کو چوس رہا ہے مگر دوست بن کر سامنے آیا ہے۔ اگر اس امت کی دور اندیشی کا خاتمہ ہو تو پھر قصر اسلام پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ یہ میری تشویش کا باعث محض بنا ہوا ہے۔ میں اپنی ذاتی مشکلات کی طرف دھیان دینے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اگر اس سے مشکل تر ہزاروں مصیبتوں کا مجھے ذاتی طور پر سامنا ہوتا۔ مگر قصر اسلام محفوظ و مامون ہوتا تو مجھے کوئی تشویش لاحق نہ ہوتی۔

سلیمان حلمی توناحن :

–۱۸۸۸ء– میں سیلسترہ میں پیدا ہو کر آپ نے ابتدائی تعلیم استنبول کے مدرسوں میں اپنے وقت کے معروف ترین علما سے حاصل کی اور اعلیٰ درجات پر فائز المرام ہوئے۔ –۱۹۳۰ء– سے لے کر آپ نے ریاست مذہبی امور میں خدمات انجام دیں اور سلطان احمد دینی جامع، شہزادہ باسی اور قاسم پاشا نامی مسجدوں میں مبلغ کا فریضہ سرانجام دیا۔

آپ کے خلاف چند بار عدالتی تحقیقات شروع ہوئیں لیکن ہر بار بری ہوئے جس دور میں لوگوں نے قرآن سے غفلت برتنی شروع کی آپ نے نوجوانوں کو اس کے نورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے وقف کردیا۔ آپ نے اپنی کتابوں میں واشگاف انداز میں قرآن کی تعلیمات سے آگاہی کو انتہائی اہتمام کے ساتھ جگہ دی۔

آپ نے مسلسل اپنے تلامذہ کو قرآن و سنت کی اتباع کی تلقین کی اور نوجوان کو مبتدعانہ تحریکوں سے بچانے کی کوشش کی۔ ۱۹۵۹ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

سلیمان حلمی تو ناحس اور آپ کے عقیدت مندوں کا تعلق عقائد میں امام ماتریدی اور فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ سے ہے۔ سلیمان افندی تصوف میں امام ربانی کے مسلک پر گامزن تھے۔

کمال قیصر جو آپ کے داماد اور شاگرد تھے۔ درجہ ذیل انداز میں آپ کے اعلیٰ شخصیت کو بیان کرتے ہیں۔

> سلیمان آفندی کے علم باطنی کے اسرار۔ جو تصوف کہلاتے ہیں۔ میں روحانی پہلو کا علم محض ان کو ہے جو اس علم سے آشنا ہیں آپ کی ظاہری و باطنی قابلیت و ذہانت قابل ستائش تھی۔ یقیناً ایک انسان جو مسلمان، عالم اور ذہین بھی ہو، تصوف اور راہنمائی کی قابلیت رکھنے والے شخص کو پاسکتے ہو لیکن پھر کسی بھی حال میں اپنے برکات سے آگاہ نہیں ہوسکتا جب تک رضائے الٰہی سے اس کو اس کے معلومات بہم فراہم نہ ہوں۔ دوسری طرف ہمارے دل میں آپ کے روحانی زندگی کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ہم نے اس کو علم کے راستے نہیں بلکہ تجربہ کی بنیاد پر آزمایا اور تسلیم کیا ہے۔ (حضرتِ علماز سلیمان جیلیک حقندہ پر انگلیشی [سلیمان جیلیک کے مظاہر پر آزمائش] صفحہ:۱۱)

سید عبد الحکیم ارواسی :

سید عبد الحکیم ارواسی ۱۸۶۵ء میں وان علاقے کے بشقلعہ ضلع میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم مصطفیٰ افندی میدانِ تصوف کے شہسوار مانے جاتے تھے جنھوں نے اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ کو تفسیرِ قرآن، حدیث نبوی اور علوم فقہیہ ودینیہ کی تحصیل کے لیے عراق بھیج دیا گیا۔

۱۴ رسال کی عمر میں آپ نے فہیم افندی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے اسرارِ تصوف پر آگاہی پانا شروع کی۔ ایک خاص درجہ رشد پر پہنچنے کے بعد جب آپ کی عمر ۲۰ رسال ہوئی تو وطن واپسی پر آپ نے اپنی تمام توانائیاں ایک مدرسے اور ایک ایسے کتب خانہ کی تعمیر پر صرف کی جہاں بلا معاوضہ طلبا اسلام کے لیے کتابوں سے استفادہ آسان ہوسکے۔ لیکن جائے افسوس ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران آرمینیوں اور روسیوں نے اس مدرسے کو لوٹ لیا اور اس طرح آپ کی امیدیں خاکستر ہوگئیں اور آپ کو مجبورانہ علاقہ وان ترک کرنا پڑا۔ اور آپ کے ایک سو پچاس (۱۵۰) ساتھیوں میں سے صرف ۲۹ ساتھی زندہ وسلامت استنبول پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

۱۹۱۹ء میں عبد الحکیم افندی نے اپنے اور ساتھیوں کے لیے وقف شدہ استنبول کے علاقے ایوپ میں ایک مدرسہ قائم

کیا۔آپ نے مدرسہ سلیمانیہ میں درس وتدریس کا آغاز کیا مگر ۲۵-۱۹۲۴ میں آپ کو اس وقت برخواست کردیا گیا جب مذہبی اداروں کو بند کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ۱۹۳۰ء میں مینن واقعہ کے بعد آپ کو گرفتار کیا گیا مگر جلد ہی رہا ہوگئے۔اس کے بعد آپ نے بیا اوغلا آغا اور بیازید مسجد میں تبلیغی اجتماعات کا اہتمام فرمایا۔زندگی کے آخری ایام میں آپ کوئی بار پابند سلاسل کرکے علاقہ بدر کردیا گیا۔اس مدت میں عجیب فاضل قصہ کودک نامی مسلم شاعر آپ کے دست مبارک پر مشرف با اسلام ہوگیا۔

آپ ۱۹۴۳ء میں مالک حقیقی سے جا ملے۔آپ کی متعلقین ومتدفین آپ کی حیات مقدسہ کی طرح سادہ اور پرحیا تھی۔آپ نے دو کتابیں تصنیف فرمائیں: الریاضۃ التصوفیہ، اور رابطہ شریفہ۔مکتوبات ومحادثات میں آپ کے فراہم کردہ جوابات کو بھی کتابی مجموعہ کی شکل میں مدون کردیا گیا ہے۔

محمود سمیع رمضان اوغلو :

محمود سمیع رمضان اوغلو ۱۸۹۲ء میں ادانہ کے اندر پیدا ہوئے اور آخر کار اریبنکولی جماعت کے شیخ بن گئے۔دار الفنون مدرسۃ القانون سے ڈگری لینے کے بعد آپ نے تمام تر توجہ تصوف پر مرکوز کی۔مساجد میں درس عام دینے کے ساتھ آپ نے تجارت کا بھی آغاز فرمایا۔کچھ مدت دمشق میں گزارنے کے بعد آپ استنبول کے ایرنکوئی علاقے میں موجود ذہنی پاشا مسجد چلے گئے جہاں پر آپ نے لوگوں کو راہِ راست کی طرف بلانے کی سعی فرماتے رہے۔۱۹۷۹ء میں آپ سعودی عربیہ چلے گئے۔عرصہ طویل تک تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے آخر کار دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔

محمد زاھد کاٹکو :

محمد زاہد کاٹکو ۱۸۹۷ء میں برصہ کے قفقازی خاندان میں پیدا ہوئے۔آپ کی عمر جنگ عظیم اول کے دوران کوئی ۱۸ سال تھی۔آپ کو فوجی خدمات انجام دینے کے لیے بلایا گیا اور چھ سال تک عسکری خدمات انجام دینی پڑیں جن میں تین سال تک فرنٹ پر اور تین سال استنبول میں۔اپنے دورِ خدمت کی تکمیل کے بعد آپ گمشخانی والے ادارے میں داخل ہوگئے اور ۲۷ سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کی۔ان دینی اداروں کی بندش کے بعد رشتہ ازدواج میں منسلک ہوکر آپ برصہ میں منصب امامت پر فائز ہوگئے۔

آپ نے کوئی بائیس سال تک فاتح علاقے کی اسکندر پاشا مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۸۰ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوگئے۔

ترکی اور یورپ کے مختلف کونوں سے بے شمار لوگ استنبول کی سلیمانیہ مسجد میں آپ کی نماز جنازہ میں شرکت سعادت پانے حاضر ہوئے۔آپ کی رحلت کے بعد آپ کا حلقہ ارادت بڑھتا چلا گیا۔ترکی کے دور دراز علاقوں کے علاوہ بیرون ترکی میں بھی آپ کے شیدائیوں اور عاشقین کی تعداد بے حد ہے۔

آپ کی اسلامی خدمات آپ کے وہ مباحثے ہیں جن کے دوران آپ نے اپنے طلبہ کو دینی مسائل اور روزمرہ کے اسلامی مسائل سے روشناس کرایا۔تقاریر، کتب اور مباحثوں کے وسیلے سے آپ نے نوجوان ترک نسل کو اسلامی اقدار سے آگاہ کرنے کا اہم کردار ادا کیا۔آپ اپنے علم کی طرح اپنی پرتحمل اور انکسار مزاجی سے بھی لوگوں کے دل جیتنے کا ہنر جانتے تھے۔آپ نے اسلامی دنیا کے غیر ترقی یافتہ صنعتی سیکٹر کے مسائل حل کرنے کے لیے گیموش موٹر فیکٹری قائم کرنے کی کوشش کی لیکن عدم تجربہ اور فنی کمزوریوں کے باعث دوام پذیر نہ ہو سکی۔

اپنی کتاب ''توبہ'' میں آپ گہر طراز ہیں :

> تمام معاملات کو سنت کے سانچے میں ڈھال کر نہایت احتیاط سے برتنے کی ضرورت ہے۔ممکنہ حد تک ان سنتوں میں سے کسی کو (حقیر جان کر) نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ہمیں رسول اللہ ﷺ کی عادات مبارکہ مثلاً کھانے پینے، لباس زیب تن کرنے، گفتار و کردار، نماز و وضو اور صفائی وغیرہ کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

نجیب فاضل قصہ کورک :

عظیم روشن خیال نجیب فاضل قصہ کورک استنبول کے جمبر لیتاس علاقے میں قہرمان ماراس سے آئے گھرانے میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے ۱۹۱۲ء میں آپ نے ایک فرانسیسی اسکول اور بعد میں گیدک پاشا میں امریکی کالج میں داخلہ لیا۔اپنے ماں کی علالت کی وجہ سے اپنے خاندان کے ساتھ ہیبلیادہ نامی علاقے میں کوچ کرنے کے بعد آپ نے بحری فوجی کالج میں داخلہ لے لیا۔۱۹۱۷ء میں آپ نے دارالفنون میں فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا ۱۹۲۴ء میں آپ کو پیرس کے ساربونی یونیورسٹی روانہ کیا گیا جہاں آپ نے سلسلہ تعلیم مکمل کرکے عازم وطن ہوئے۔

اپنی (غیر مستقل) فطرت کی وجہ سے آپ کسی بھی عہدہ پر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے اس وجہ سے آپ نے ۱۹۳۸ میں اپنا علاقہ چھوڑ دیا ۱۹۴۱ء میں آپ ریاستی فنون لطیفہ کی اکیڈمی اور رابرٹ کالج میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، انہی سالہا سے تدریس کے دوران آپ نے شاعری اور کتب نویسی بھی فرمائی۔

اسلام کی اہمیت کا اعتراف آپ کو انہی سالوں کے دوران ہوا۔عظیم مشرقی تحریک جس کا آپ نے آغاز کیا اسلام کے مخالفین کے لیے ہوا ثابت ہوئی ۱۹۴۳ء سے ۱۹۷۸ء تک کی مدت میں آپ نے ترکی کے چپے چپے میں جا کر سلسلہ تقریر جاری رکھا۔آپ کے خلاف کوئی آٹھ مقدمات درج ہوئے اور آپ کو ساڑھے تین سال کا عرصہ جیل کی سلاخوں میں گزارنا پڑا لیکن آپ نے پھر بھی دشمنانِ اسلام اور متبدعانہ تحریکوں کو پامال و مسمار کرنے کی جدوجہد جاری رکھی یہاں تک کہ ۱۹۸۳ء میں آپ خود اپنی زندگی کی بازی ہار گئے۔اپنی کتاب دغرو یولو سا پیک کوری (شعب الخاطئة لطریق المستقیمة) نے بہت سے لوگوں کو ضلالت کی وادیوں میں گرنے سے بچا لیا۔

اس اہم کتاب میں فاضل نجیب نے متبدعانہ فرقوں کے نظریات کی نشاندہی کی اور پیغمبر اسلام علیہ السلام اور صحابہ کرام

کے طریقے پر چلنے والے اہل سنت وجماعت کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کا ثبوت باہم فراہم کیا ہے۔

آپ کی کتابوں سے چند اقتباسات :

اسلامی تقویم کا دوسرا اور تیسرا زمانہ جس میں مبتدعانہ تحریکیں سر اُٹھانے لگیں اور زور پکڑنے لگیں اور ان کے لیے خوشگوار فضا پیدا ہوئی ان دونوں زمانوں نے ایسے دو فاتحانہ عمارتیں جس نے پورے یونٹ کو راہ سنت اور مذہبی کمیونٹی کو ایک یادگار بنادیا۔

چار گنبدوں والی ایک عمارت جو ایمان کے اسلامی اصول اور اعمال کے احکام بتاتی ہے اور دو گنبدوں والی ایک دوسری عمارت جو عقیدے سے مربوط پہلو کو مستحکمانہ قوت بخشتی ہے......ان میں سے ایک اعمال میں ہے اور دوسری عقیدے میں۔

اعمال میں: امام مالک، امام اعظم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل

عقیدہ میں: امام ماتریدی، امام اشعری

یہ صراطِ مستقیم کے سرحدی نگرانوں کا کام کرتے ہیں اور اہل سنت کے پولیس فورسز کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

وہ کتاب قرآن ہے۔سنت ہر قول، امر اور عمل نبوی ہے۔اجماع جس پر امت کا اجماع ہو۔جس پر ان اصحاب کرام کا اجماع جو امت ہونا کلی صفت کے مستحق ہیں۔قیاس: دینی علما کا مشابہ صورتحال کو دیکھ کر احکامات جاری کرتے ہیں۔

......میں بڑھتے ہوئے ترتیب میں درجات ایک دوسرے میں گم ہوجاتے ہیں اور آخر کار ایک ہی ذات مطلق میں جمع ہوکر آتے ہیں۔اہل سنت وجماعت کا راستہ بالکل مستقیم ہے جن کو ان قائدین نے فساد کے ہزاروں خطوں میں گمشدہ اس راستے کو روشن کر کے آئے۔اس راستہ پر جو لوگ چار گنبدوں والے فاتحانہ عمارت کو اٹھاتے ہیں۔عقیدہ اور اعمال کی اصطلاح میں بیرونی فرنٹ کے عظیم ترین انجینئر ہیں جنھوں نے بعد میں عقیدہ کی عمارت کی بنیاد رکھی۔(نجیب فاضل..........-----)

فرائض دینیہ

FARDS IN THE RELIGION

ذیل میں دیے گئے اسلام کے تینتیس (۳۳) اہم فرائض کا علم ہونا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے :

ارکانِ ایمان: ۶

ارکانِ اسلام: ۵

فرائض نماز: ۱۴

فرائض وضو: ۴

فرائض غسل: ۳

فرائض تیمم: ۳

ارکانِ ایمان :

ایمان کے ارکان چھ ہیں :

۱) اللہ عزوجل کی وحدانیت پر ایمان

۲) اس کے فرشتوں پر ایمان

۳) اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان

۴) اس کے مبعوث کردہ پیغمبروں پر ایمان

۵) آخرت کے دن پر ایمان

۶) تقدیر پر ایمان (کہ ہر چیز اللہ کے چاہے سے ہوتی ہے)

ارکانِ اسلام :

اسلام کے پانچ بنیادی اور دستوری ارکان وستون جو نبی کریم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو دیے گئے حدیث شریف میں ان کی تفصیل یوں ہے :

قصر اسلام پانچ ستونوں پر استوار ہے:(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۔(۲) نماز قائم کرنا ۔(۳) روزہ رکھنا ۔(۴) زکوٰۃ دینا ۔(۵) اور استطاعت ہوتے ہوئے حج کرنا ۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

نماز :

نبی کریم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ بروز محشر بندے سے جس چیز کا سب سے پہلے محاسبہ کیا جائے گا وہ اس

کی نماز ہوگی ۔اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہوا پھر تو اس کے لیے امان ہے ۔اور اگر اس میں نا کام ہوگیا تو پھر یقیناً وہ خسارے میں ہوگا۔(سنن ترمذی)

حضرت عمر –رضی اللہ عنہ– سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– سے دریافت کیا کہ کون سا عمل عبادت اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ نماز کو ان کے صحیح وقتوں پر ادا کرنا۔جس نے نماز کو چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھا دیا (اور جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا) نماز دین کا ستون ہے۔(سنن بیہقی)

اللہ تعالیٰ ایک آیت میں فرماتا ہے :

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (سورۂ عنکبوت:۴۵)

(اے حبیب مکرم!) آپ وہ کتاب پڑھ کر سنایئے جو آپ کی طرف (بذریعہ) وحی بھیجی گئی ہے، اور نماز قائم کیجیے، بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ ان (کاموں) کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

نماز یا تنہا پڑھی جاتی ہے یا با جماعت مسجد کے اندر کسی امام کی اقتدا میں۔تاہم نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین جماعت کے ساتھ ہی ادا کی جائیں گی۔اہل اسلام جب نماز میں ہوتے ہیں تو گویا اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔وہ اپنے گناہوں کی براہِ راست اللہ جل شانہ سے معافی چاہتے ہیں؛ کیوں کہ اس موقع پر اللہ اور بندے کے درمیان کوئی آڑ اور واسطہ نہیں ہوتا۔

نبی اکرم –صلی اللہ علیہ وسلم– اپنی نمازوں پر حد درجہ محتاط و مشتاق تھے اور انھیں یہاں تک طول دیتے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ایک صحابی نے استفسار کیا یا رسول اللہ! آپ خود کو اتنی مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں جب کہ آپ کو جنت کی بشارت مل چکی ہے۔آپ نے جواباً فرمایا: ''کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''۔(مسند احمد)

نماز سے متعلق کچھ احادیث نبوی ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

پنج وقتہ فرض نمازوں کی مثال اس بہتی شیریں نہر کی سی ہے جو تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ بار نہائے۔(صحیح مسلم:۴ حدیث:۱۴۱۱)

ایک مومن اور کافر کے درمیان فرق صرف نماز کا ہے۔(صحیح مسلم)

ہمارے اور اُن کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والی حقیقت صرف نماز ہے۔اس لیے کسی شخص کا نماز چھوڑ دینا ایک کافر کے عمل سے کافی مشابہ ہے۔(سنن ترمذی)

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا تنہا پڑھنے سے ستائیس گنا افضل ہے۔(صحیح بخاری)

اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نمازِ فجر وعشا کی فضیلت واہمیت کیا ہے تو وہ گھٹنوں کے بل چل کر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم:۴ حدیث:۸۷۷)

جب ایک بندۂ مومن اہتمام کے ساتھ وضو کر کے صرف اور صرف نماز ادا کرنے کے لیے مسجد جاتا ہے تو ہر قدم پر

اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

لوگوں میں سب سے زیادہ نیکیاں حاصل کرنے والا شخص وہ ہے جو مسجد سے کافی دور رہتا ہے، اور اتنے فاصلے سے پیدل چل کر آتا ہے پھر امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرتا ہے تو ایسے شخص کا ثواب اس شخص سے یقیناً بڑھ کر ہوگا جو اکیلے نماز پڑھ کر سو جائے۔ (صحیح مسلم: ۲ حدیث: ۱۴۰۱)

جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ جس کا دل مسجد کے لیے دھڑکتا رہتا ہے اور اخلاص کے ساتھ مسجد کے انتظام و انصرام میں لگا رہتا ہے تو اسے سچے مومن ہونے کی بشارت دے دو۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

(میری امت پر) ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب لوگ اپنے دنیوی معاملات کو لے کر مسجد میں شور شرابے کریں گے، ایسے لوگوں کے ساتھ کبھی نشست نہ کرو۔ اللہ کو ایسے لوگوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں۔ (سنن بیہقی)

ہر فرض نماز کے بعد رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- اپنی زبانِ اقدس سے یہ کلمے دہرایا کرتے تھے :

لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، له الملك و له الحمد و هو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما أعطيت و لا معطي لما منعت و لا ينفع ذا الجد منك الجدُّ ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بلا شرکت غیرے ایک اور صرف ایک ہے، کل جہان کی بادشاہت اسے ہی زیبا ہے، جملہ حمد و ثنا کا وہی سزاوار ہے۔ اور ہر چیز پر اسے کامل قدرت حاصل ہے۔ اے اللہ! جب تو دینے آئے تو کوئی روک نہیں سکتا، اور جس سے تو روک لے اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا۔ اور کسی مالدار کی دولت اسے کچھ نفع بخش نہ ہوگی۔ یعنی اللہ کے در رحمت کا ہر کوئی سوالی ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اگر کوئی ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، اور ۳۳ بار اللہ اکبر کا ورد کرے (یعنی کل ۹۹ مرتبہ) اور یہ کہتے ہوئے: لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك و له الحمد و هو على كل شيء قدير سو کا عدد پورا کرے تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگر وہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲ حدیث: ۱۲۳۴)

نماز کی ادائیگی میں سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ اس پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہو، اس حالت میں پہنچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ وصیت فرمائی ہے کہ جب آپ نماز پڑھیں تو یوں محسوس کریں کہ آپ نے خود کو، خواہشات کو اور اپنی زندگی کو خیر آباد کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عائشہ -رضی اللہ عنہا- کی اس روایت سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نماز کے سلسلے میں کس قدر محتاط رہا کرتے تھے :

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- ہم سے بات چیت کرتے اور ہم ان سے شرف ہم کلامی حاصل کرتے، وہ مسکرا مسکرا کر ہم سے گفتگو فرماتے، لیکن جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ اپنی پوری شانِ استغنا کے ساتھ اس کے لیے یوں آمادہ نظر آتے جیسے وہ نہ ہم کو پہچانتے ہیں اور نہ ہم ان کو جانتے ہیں۔

اوقات نماز :

دن رات کے متعینہ وقتوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ہر روز کی ان فرض نمازوں کے علاوہ نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین بھی باجماعت پڑھی جاتی ہیں۔

۱ نمازِ فجر: اس میں کچھ چار رکعتیں ہیں: پہلے دو سنت اور پھر دو فرض۔

۲ نمازِ ظہر: اس میں کل دس رکعتیں ہیں: پہلے چار سنت، پھر چار فرض اور پھر دو سنت۔

۳ نمازِ عصر: اس میں کل آٹھ رکعتیں ہیں: پہلے چار سنت، پھر چار فرض۔

۴ نمازِ مغرب: اس میں کل پانچ رکعتیں ہیں: پہلے تین فرض پھر دو سنت۔

۵ نمازِ عشا: اس میں کل تیرہ رکعتیں ہیں: پہلے چار سنت، پھر چار فرض، دو سنت اور پھر نمازِ وتر۔

نمازِ وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ اور یہ نمازِ عشا کی آخری دو سنتوں کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس کا وقت نمازِ عشا کے بعد سے لے کر نمازِ فجر سے پہلے تک ہوتا ہے۔

نمازِ وتر پڑھنے کی نیت یوں کی جاتی ہے :

میں نے رضائے الٰہی کی خاطر نمازِ وتر ادا کرنے کی نیت کی۔ عام طور پر یہ دو رکعتوں میں ادا کی جاتی ہے۔ دو رکعتیں مکمل کرنے اور تشہد پڑھنے کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے، بسملہ، سورۂ فاتحہ اور ضم سورہ کرنے کے بعد ہاتھ باندھے ہوئے اللہ اکبر کہے اور دعائے قنوت پڑھے۔ ''اللہ اکبر'' کے کلمات رکوع و سجدہ کے لیے بدستور کہے جائیں گے۔ پھر قعدہ میں التحیات، درودِ ابراہیمی اور کوئی دعاے ربنا پڑھنے کے بعد دائیں اور بائیں سلام پھیر دے۔ (ابن عابدین شامی - ردالمحتار: ۲/ ۵ مطبوعہ مصر ۱۹۲۶ء)

نمازِ وتر کا قرآن کریم میں گر چہ کہیں کوئی ذکر نہیں آیا مگر اس کا ذکر بہت ساری حدیثوں میں موجود ہے جن میں سے بعض یہ ہیں :

اللہ واحد یکتا ہے اور وہ یکتائی کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا اے قرآن کے پیروکارو! وتر ادا کیا کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد: ۸ حدیث: ۱۴۱۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمھیں ایک اضافی نماز عطا کر رکھی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹنی سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ اور وہ نمازِ وتر ہے۔ جس کو اللہ نے نمازِ عشا اور فجر صادق کے درمیان رکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۱۳/۸)

نماز کے فرائض :

نماز کے بارہ فرائض ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو نماز شروع کرنے سے پہلے ادا کیے جاتے ہیں جنھیں شرائط نماز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کچھ وہ جن کا اہتمام نماز کے اندر ہوتا ہے انھیں ارکانِ نماز کہا جاتا ہے۔

شرائط نماز :

۱: حدث سے طہارت: وضو یا غسل (جس کی ضرورت ہو) یا تیمم ادا کرتے ہوئے غیر مرئی حدث سے خود کو پاک کرنا۔

۲: نجاست سے پاکی: نماز ادا کرنے سے پہلے بدن یا کپڑوں پر مرئی نجاست سے خود پاک کرنا۔

۳: ستر عورت: مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے کے اوپر تک اور عورت کے لیے پورا بدن، ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے استثنا کے ساتھ۔ اگر ستر عورت کا چوتھائی حصہ نماز کے کسی رکن کی ادائیگی تک کھلا ہوا ہو تو ایسی حالت میں نماز فاسد ہوگی۔

۴: استقبال قبلہ: اگر کوئی قبلہ سے اپنے سینے کو (تقریباً پینتالیس درجے تک) ہٹا دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۵: وقت: ہر فرض اور واجب کا ایک مخصوص وقت ہے اور ان کے لیے ان کے فرض شدہ وقت میں ضرور ادا کرنا چاہیے، اس کو وقت سے پہلے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کو بلا کسی عذر شرعی کے وقت سے دیر کرنا بھی گناہ ہے۔

۶: نیت : نماز کی نیت کرنا۔ یعنی امام اپنی ذمہ داری امامت کی اور مقتدی امام کی اقتدا کی نیت کرے۔

ارکانِ نماز :

۱ تکبیر تحریمہ: نیت کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنا۔

۲ قیام: نماز میں کھڑے ہونے کو قیام کہتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی معذور ہے اور اس میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں تو وہ بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا/سکتی ہے۔

۳ قراءت: دورانِ قیام قرآن کی کم از کم تین چھوٹی آیتیں پڑھنا۔

۴ رکوع: اتنا جھکنا کہ ہاتھ گھٹنوں کو چھو جائے۔

۵ سجود: پیشانی، ناک، انگوٹھے، گھٹنے، اور ہاتھوں کو زمین پر جمانا۔ صرف پیشانی اور ناک کا زمین سے لگا دینا کافی نہ ہوگا۔ پیشانی کا زمین کی سختی محسوس کرنا ضروری ہے۔ ہجوم کثیر میں پچھلی صف کے نمازی اگلے صف والوں کی پیٹھ پر سجدے کر سکتے ہیں۔

۶ قعدۂ اخیرہ: نماز کی رکعتیں پوری کرنے کے بعد اتنی دیر تک بیٹھنا کہ پوری التحیات پڑھ لی جائے۔

نماز کے مستحبّات :

کچھ ایسی چیزیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک یا دو بار انجام دیا ہو انھیں مندوب یا مستحب کہا جاتا ہے۔ مثلاً رکوع وسجود میں تین بار سے زیادہ تسبیح پڑھنا، یا قراءت میں مقدارِ سنت سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنا۔ مستحبات کو تکمیل سنت کا درجہ دیا گیا ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق نماز میں مندرجہ ذیل مستحبات ہیں :

۱: مرد کے لیے تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کپڑے سے باہر نکالنا۔ کیوں کہ یہ زیادہ مودب طریقہ ہے۔ ہاں اگر سخت قسم کی سردی ہو تو ایسا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ عورتیں تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے ہاتھ کپڑے کے اندر رکھیں تا کہ ان کے بازو کھلنے نہ پائیں۔

۲: قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھنا اور رکوع میں قدموں کی پیٹھ پر اور قعدہ و جلسہ میں اپنی گود کی طرف اور سجدہ میں ناک کی طرف اور سلام کے وقت اپنے کاندھوں پر نظر رکھنا۔ منفرد کو چاہیے کہ اپنی نماز میں خوب خشوع و خضوع پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے احسان کے حوالے سے بیان فرمایا ہے :

تم اللہ کی عبادت یوں کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اور ایسا نہ ہو سکے تو یہ خیال جما رکھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۱)

۳: جماہی آئے تو منہ بند کیے رکھنے کی کوشش کرنا، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہاتھ کی پشت سے منہ کو ڈھانک لے۔

۴: کھانسی کو اپنی طاقت بھر نہ آنے دینا۔

۵: اقامت کے وقت جب تکبیر کہنے والا حی الفلاح کہے تو امام و مقتدی سب کا کھڑا ہو جانا۔ اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو تو جس صف سے وہ گزرے لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ (صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ:۹ ..... سنن ابو داؤد:۱۰۶-۱۰۷)

موذن کی زبان سے امام جیسے ہی "قد قامت الصلوٰۃ" کا لفظ سنے نماز شروع کر دے۔ تاہم اقامت مکمل ہو جانے کے بعد نماز شروع کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ بلکہ شافعی و مالکی اور حنبلی اور امام ابو یوسف کے نقطۂ اجتہاد سے یہی بہتر ہے۔ (پروفیسر حمدی ڈونڈورین، ڈیلیل لیریلی اسلام علم حالی (اسلامک کیٹیشسم وتھ پروفس) [اکرام پبلشنگ]

نمازِ جمعہ :

جمعہ کے مبارک دن مسلمان مسجدوں میں جاتے ہیں تا کہ امام کے خطبے سے مستفید ہو سکیں۔ جماعت سے نماز ادا کرنے کے بعد وہ روزمرہ کے معاملات و معمولات میں لگ جاتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ سات دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے ان میں بہترین اور اعلیٰ ترین دن جمعے کا ہوتا ہے۔ جمعہ ہی کے دن حضرت آدم-علیہ السلام- کا جنت میں داخلہ ہوا اور اسی دن جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے۔ اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔ (سنن ترمذی)

عمر نصوحی بلمس نماز جمعہ کے بارے میں درج ذیل تبصرہ کرتے ہیں :

جمعہ کی نماز وقت ظہر میں ادا کی جاتی ہے۔ میناروں میں جمعہ کی اذان دی جاتی ہے۔ نماز ظہر کی طرح جمعہ میں بھی پہلے چار رکعت سنت ادا کی جاتی ہے۔ پھر دوسری اذان ہوتی ہے تو لوگوں کی سماعتیں خطیب آوازوں پر لگ جاتی ہیں پھر اقامت ہوتی ہے۔ جمعہ میں صرف دو رکعت فرض ہے۔ اس فرض نماز کے بعد پھر نماز ظہر کی چار رکعت سنتیں ہیں۔ پھر چار رکعتوں پر مشتمل ظہر اخیر ادا کی جاتی ہے.... پھر مزید دو رکعت سنت ’سنت فجر کی طرح اس وقت کی سنت کی ادائیگی

کی نیت سے ادا کی جاتی ہیں۔ دو رکعت فرض ہے ان لوگوں کے لیے جن لوگوں کے لیے جمعہ فرض ہے جب کہ جمعہ کی نماز کے لیے دوسری نمازوں سے جدا کوئی بارہ الگ شرائط ہیں۔ ان میں سے چھ واجب اور چھ ان کے اندر ہیں۔

(عمر فصوحی بلعن۔ دی گریٹ اسلامک کیلکرم: صفحہ۱۵۳)

جمعہ کے سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کی فرمودات وہدایات :

حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجنا :

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: روزِ جمعہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود وسلام پڑھا کرو۔ (سنن بیہقی)

اُمت محمدیہ کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جن نعمت وبرکات سے نواز ہے اور جن نعمتوں سے آخرت میں سرفراز ہوں گے سب وسیلہ رسول سے ممکن ہوا ہے۔ چوں کہ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے اس لیے مسلمانوں کو جمعہ کے روز وشب میں کثرت سے رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا چاہیے۔

نمازِ جمعه اور جماعت مسلمین :

جمعہ کی نماز ہر عاقل بالغ آزاد اور مستطیع وبینا پر فرض ہے۔ رحمت دوعالم ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں جمعہ مسلمانوں کے مذہبی اجتماع کا دن تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کی اجتماعیت کی بہترین روایت خستہ ہوتی چلی گئی۔ ابوداؤد وترمذی میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بلا کسی عذر شرعی کے غفلت کی وجہ سے تین جمعے مسلسل چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دے گا۔

جمعه کے دن کا غسل :

رسول اکرم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جمعہ کے دن مسجد میں حاضری سے پہلے غسل کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

جمعه کے دن خوشبو ، اور مهک دار کپڑے کا استعمال :

رسول معظم ﷺ جمعہ کے دن بطورِ خاص خوشبوؤں میں بسے کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ ہفتہ کے دوسرے ایام کے بالمقابل اس دن کچھ زیادہ ہی خوشبوؤں کا اہتمام ہونا چاہیے۔

جو شخص بروزِ جمعہ غسل کرے، اور خود حتی المقدور پاک وصاف کر کے بالوں میں تیل لگائے، یا خود کو خوشبو دار بنائے، اور نماز کے لیے چل پڑے، اور نمازیوں کی مزاحمت کا سامان نہ بنے، اور اپنے فرض کی ادائیگی کرے، خطبے کے وقت خاموش ہو تو ایسے شخص کے اس جمعہ سے لے کر گزشتہ جمعہ تک کے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری:۱۳/۲حدیث:۳۳)

نمازِ جمعه کے لیے پهلے آنا :

عہدِ رسالت میں جمعہ کی نماز کے لیے اہل ایمان حتی الامکان پہلے آنے کی کوشش فرماتے تھے، وہ غائب حضرات کی غیر حاضری کی وجہ معلوم کرتے، اگر وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوتا تو اس کی مشکل کشائی کا فریضہ انجام دیا جاتا تھا۔

خطبہ جمعہ کی سماعت :

عمر فصوحی قلم طراز ہیں :

جب خطیب منبر پر چڑھے تو نمازیوں کو ہمہ تن گوش ہو جانا چاہیے۔ اب نہ ایک دوسرے کو سلام کیا جائے اور نہ کوئی نماز پڑھی جائے۔ یہاں تک کہ اگر خطبہ کے دوران رسول اللہ ﷺ کا مقدس نام نامی اسم گرامی آجائے تو بہتر یہ ہے کہ دل میں درود وسلام پڑھ لیا جائے۔ امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر دل میں درود بھیجنا چاہیے۔ (عمر فصوحی بطمن۔ دی گریٹ اسلامک کیلکوم : صفحہ ۱۵۳)

نمازِ جمعہ کی بابت حضور اقدس ﷺ کا ایک خطبہ :

اے لوگو! موت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اور دنیا کے لوازمات میں مشغول ہونے سے پہلے نیک اعمال کی طرف دوڑو، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالق سے اپنے واسطے کو مستحکم کرو۔ چپکے اور علانیہ صدقہ دیا کرو کیوں کہ رزق وحوائج آپ کو مل کر رہے گی اور آپ کی حالت بہتر کردی جائے گی۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس مقام، اس دن، اس مہینے اور اس سال سے لے کر روزِ قیامت تک نمازِ جمعہ کو فرض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اسے میری زندگی میں یا میرے بعد ترک کردے جب کہ اس کا ایک منصف یا ظالم حکمران موجود ہو اور اس کو وہ حقیر سمجھے یا اس سے انکار کردے تو اللہ تعالیٰ اس کی جماعت کا شیرازہ بکھیر دے گا اور اس کے معاملے ہمیشہ بے برکتی کا شکار رہیں گے۔ خبردار اس کی نماز باطل ہوگی اور اس کے حج وزکوٰۃ نا قابل قبول ہوں گے جب تک وہ توبہ نہ کرلے نہ اس کا روزہ اور نہ کوئی دوسری نیکی مقبول ہوگی۔ تو جو تائب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کی بارشیں فرمائے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

نمازِ تراویح :

نمازِ تراویح ہر مرد وعورت کے لیے سنت موکدہ ہے؛ کیوں کہ رسول اکرم ﷺ نے اسے خود ادا فرمایا اور آپ کے بعد صحابہ کرام اور خلفائے راشدین نے بھی اس کو جاری رکھا۔ تراویح با جماعت پڑھنا سنت ہے۔ (زیلعی، نصب الرایہ: ۱۵۲/۲، الشوکانی : نیل الاوطار: ۵۰/۳، الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ [۱۴۰۵/۱۹۸۵]، ۴۳/۲)

نمازِ تراویح صرف ماہِ رمضان میں عشا کے بعد اور وتر سے پہلی پڑھی جاتی ہے۔ آدھی یا تہائی رات کے بعد اس کا پڑھنا مستحب ہے، گرچہ اسے تنہا بھی ادا کیا جا سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ با جماعت پڑھی جائے۔

مذہب حنفی اور حضرت عمر – رضی اللہ عنہ – کے عمل کی بنیاد پر تراویح کی کل بیس رکعتیں ہیں۔ اپنی خلافت کے اختتامی دور تک رئیس مملکت کی حیثیت سے مسجد نبوی میں آپ نے تراویح کی بیس رکعتیں ادا فرمائیں۔ کسی بھی صحابی نے آپ کے اس عمل کی مخالفت نہ کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو۔ اور اسے خوب مضبوطی سے تھامے رکھو۔ (ابو داؤد: ۴۰ حدیث: ۴۵۹۰)

نماز کی سورتیں :

سورۂ فاتحہ

سورۂ فیل

سورۂ قریش

سورۂ ماعون

سورۂ کوثر

سورۂ کافرون

سورۂ نصر

سورۂ مسد

سورۂ اخلاص

سورۂ فلق

سورۂ ناس

دعائیں :

دعائے ثناء :

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالیٰ جَدُّکَ (وَ جَلَّ ثَنَاؤُکَ) وَ لاَ اِلٰہَ غَیْرُکَ

کلمہ "وجل ثناؤک" صرف نمازِ جنازہ میں پڑھا جاتا ہے۔

ترجمہ: پاک ہے تو اے اللہ اور میں تیری حمد کرتا ہوں تیرا نام برکت والا ہے اور تیری عظمت بلند ہے (اور تیری ثنا باعظمت ہے) اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

التحیات :

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلَوَاتُ وَ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلاَمُ عَلَیْنَا وَ عَلیٰ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

ترجمہ: تمام عبادتیں اور نمازیں اور پاکیزگیاں اللہ کے لیے ہیں سلام اے نبی آپ پر اور اللہ کی رحمت اور برکتیں، سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔

درود ابراھیمی :

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلیٰ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ

مَجِیْدٌ ، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

ترجمہ: اے اللہ درود بھیج محمد پر اور ان کی آل پر جس طرح درود بھیجا تو نے ابراہیم پر اور ان کی آل پر بے شک تو سراہا ہوا بزرگ ہے ۔ اے اللہ برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور ان کی آل پر جیسے برکت نازل کی تو نے ابراہیم پر اور ان کی آل پر بیشک تو سراہا ہوا بزرگ ہے ۔

ربنا آتنا :

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں نیکی دے اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

ربنا اغفر لی :

رَبَّنَا اغْفِرْلِی وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُسْلِمِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابِ ۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار!

دعائے قنوت :

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَ نَسْتَغْفِرُکَ وَ نُؤْمِنُ بِکَ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَ نُثْنِی عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَ نَشْکُرُکَ وَ لَا نَکْفُرُکَ وَ نَخْلَعُ وَ نَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ ، اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ لَکَ نُصَلِّی وَ نَسْجُدُ وَ اِلَیْکَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ وَ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَ نَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ ۔

ترجمہ: الٰہی ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور مغفرت چاہتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر توکل کرتے ہیں اور بھلائی کے ساتھ تیری ثنا کرتے ہیں اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے اور ہم جدا ہوتے اور اس شخص کو چھوڑتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے اور تیری طرف دوڑتے ہیں، ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں ۔ بے شک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے ۔

وضو :

نماز ادا کرنے سے پہلے ایک بندۂ مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنا چہرہ، کہنی سمیت ہاتھ اور اپنے پاؤں دھولے، اور سر کا مسح کر لے ۔ شریعت میں اسی کو وضو کہا جاتا ہے ۔ مزید برآں اس بندۂ مومن کا بدن، کپڑے اور جائے نماز کا پاک ہونا بھی ضروری ہے ۔

فرائض وضو :

١ دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا۔

٢ چہرہ دھلنا۔

۳ چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

۴ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھلنا۔

سنن وضو :

۱ نیت کرنا۔

۲ بسملہ پڑھتے ہوئے وضو کا آغاز کرنا۔

۳ (پہلے دونوں) ہاتھوں کو گٹوں تک (تین تین بار) دھلنا۔

۴ مسواک یا برش سے دانت صاف کرنا۔ اور اگر یہ میسر نہ ہوں تو پھر انگلی کا استعمال کرے۔

۵ بدن کے یہ حصے بلا کسی وقفے کے ترتیب وار دھلنا۔

۶ دھلنے کے دوران اعضا کو ملنا۔

۷ (تین چلو سے) تین بار کلی کرنا۔

۸ غرارہ کرنا اگر روزے سے نہ ہو۔

۹ تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھانا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

۱۰ بدن کے جو اعضا دھونے کے ہیں انھیں تین تین بار دھونا۔

۱۱ جوڑے یعنی دونوں پاؤں، بازوؤں، اور ہاتھوں کی دھلائی داہنی سمت سے شروع کرنا۔

۱۲ ہاتھ اور پاؤں دھلتے وقت انگلیوں کے سرے اور پاؤں کے انگوٹھوں سے شروع کرے۔

۱۳ (منہ دھوتے وقت) داڑھی کا خلال کرنا۔

۱۴ اگر کوئی انگشتری وغیرہ پہنے ہو تو اسے حرکت دینا تاکہ پانی اچھی طرح اس کے اندر تک پہنچ جائے۔

۱۵ کانوں کا مسح کرنا۔

۱۶ گردن کا مسح کرنا۔

۱۷ پورے سر کا مسح کرنا۔

۱۸ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرنا۔

غُسل :

عربی میں غَسل دھونے کو کہتے ہیں اور غُسل طہارتِ کبریٰ یعنی پورا بدن دھونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جنابت اور حیض ونفاس سے پاکی کے لیے غسل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

فرائض غسل تین ھیں :

۱ منہ بھر کلی کرنا اور حلق کی جڑ تک پانی بہانا۔

۲ ناک میں پانی چڑھانا تاکہ نتھنوں کا نرم حصہ دھل جائے۔

۳ سر سے لے کر پاؤں تک پورے بدن پر پانی بہانا۔

تیمم :

پانی کی عدم موجودگی میں یا پانی کے استعمال سے بیماری بڑھ جانے کے باعث یا اس طرح کی دوسری مجبوریوں کی وجہ سے تیمم کی اجازت ہوتی ہے۔ جس کا وضو نہ ہو یا نہانے کی حاجت ہو اور وہ پانی پر قدرت نہ پائے تو اس شخص کو وضو اور غسل کی جگہ کسی پاک مٹی سے یا کسی اور پاک چیز سے تیمم کرنا چاہیے۔

کتاب و سنت میں تیمم کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن میں ہے :

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ۝ (سورۂ مائدہ: ۶/۵)

پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

یعنی اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کیا جائے گا۔

حدیث میں ہے :

میرے لیے زمین کو پاک اور جائے سجدہ کر دیا گیا ہے۔ (مسند ابن حنبل)

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تیمم کے لیے از جنس زمین جو چیز بھی استعمال کی جائے درست ہے۔ (احمد داؤد داؤ غلو، سلامت پوری: راہ نجات: ۱/۱۵۴)

فرائض تیمم :

۱ نیت کرنا۔

۲ کسی پاک زمین پر ہاتھ مارنا۔

۳ سارے منہ پر اور (کہنیوں سمیت) ہاتھوں پر مسح کرنا۔

سنن تیمم :

۱ بسم اللہ کہنا۔

۲ دونوں ہاتھوں کا پے در پے مسح کرنا۔

۳ دونوں ہاتھوں کا بلا تاخیر مسح کرنا۔

۴ ہاتھوں کو زمین پر مارنے کے بعد آگے سے پیچھے کی طرف لے جانا۔

۵ انگلیاں کھلی ہوئی رکھنا۔

۶ ہاتھوں کو جھاڑ لینا، زمین پر ہاتھ مار کر لوٹ دینا۔

روزہ:

روزہ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے۔ یہ ایک اہم بالشان عبادت اور اس پر عظیم ثواب مرتب ہوتا ہے۔ بہ نیت عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے آپ کو قصداً کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنے کا نام روزہ ہے۔ اس کے اندر دینی، اخلاقی، سماجی اور تندرستی کے بہت سے رموز پنہاں ہیں۔

مثلا روزے دار کو صبر کی دولت ہاتھ آجاتی ہے جس سے وہ مشکلات، اور بھوک و پیاس کا دفاع کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ اس سے اس کا نفس قابو میں آجاتا ہے اور اسے خواہش و غربت کو اچھی طرح سمجھنے کا شعور بیدار ہوجاتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر وہ صبر و استقلال، الفت و محبت، ایک دوسرے کی چارہ گری اور معاشرے کا ایک نفع بخش رکن ہونے جیسی عظیم صفات کا حامل ہوجاتا ہے۔ تو نعمتوں کی صحیح حقیقت کو جان لیتا ہے، اور ضیاع سے بچنے کا طریقہ سیکھ لیتا ہے۔ روزے سے انسان کے روحانی درجات بلند ہوتے ہیں، انسان کا قوت ارادی قوی تر ہوتا ہے اور اس میں محبت و شفقت اور دوسروں کی چارہ کا جذبہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ روزہ ہر عاقل و بالغ اور صحت مند مسلمان پر فرض ہے۔ اور یہ رمضان کے پورے مہینے پر محیط ہے۔ اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (سورۂ بقرہ ۲،۱۸۳/۲)

اے ایمان والو تم پر اسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

روزہ کی شکل میں اخلاق و کردار کی یہ تربیت روح کی پاکیزگی کے ساتھ محبت و یگانگت اور صبر و تحمل کا مزاج بھی پیدا کرتی ہے۔ نیز عصری سائنسی تحقیقات کی روشنی میں یہ صحت انسانی کے لیے بھی ایک بہترین فائدہ بخش نسخہ ہے۔

حضور اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔فرماتے ہیں:

روزۂ رمضاں بدن انسانی کو امراض سے شفایابی عطا کرتا ہے۔

سحری:

نبی کریم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔اخیر وقت میں سحری تناول فرمایا کرتے تھے، اور یہ افطار سے بالکل مختلف ہوتی تھی۔

حضرت انس بن مالک۔رضی اللہ عنہ۔کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کا فرمان عالیشان ہے کہ سحری کھانا نہ بھولو کیوں کہ اللہ تعالی نے اس میں بڑی برکتیں رکھی ہے۔ (صحیح بخاری: ۱/۳۱۱ حدیث: ۱۴۶)

صبح صادق سے قبل بیدار ہو کر جو سحری کھائی جاتی ہے وہ دراصل روزہ ہی کی نیت سے ہوتی ہے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ماہِ رمضان (یا عام روزوں) میں سحری کرنا ہی نیت ہے۔امام نجم الدین نسفی نے یوں ہی ذکر کیا ہے۔اور اگر سحری کھاتے وقت یہ ارادہ ہے کہ صبح کو روزہ نہ رکھوں گا تو یہ سحری کھانا نیت نہیں۔(فتاویٰ ہندیہ:۱۹۵/۱)

عمر نصوحی بلمس کے مطابق شرائط روزہ یہ ہیں :

۱ روزے دار کا مسلم، عاقل، بالغ ہونا ضروری ہے۔وہ لوگ جو ان اُصول پر پورے نہیں اُترتے وہ مستثنیٰ ہیں۔ہاں! ایک ذمہ دار مسلم کا بچہ جو سمجھ بوجھ کی عمر کو پہنچ چکا ہو تو وہ نفلی روزے کے طور پر روزہ رکھ سکتا ہے۔

۲ صحت منداور مقیم ہونے کی صورت میں روزے رکھنا فرض ہے۔یہی وجہ ہے کہ مریض اور مسافر کو نہ رکھنے کی چھوٹ ہے۔لیکن دوسرے دنوں میں اُن کی قضا لازم ہے۔

روزے کی بابت فرمانِ رسالت :

حضور رحمت عالم –صلی اللہ علیہ وسلم– نے روزہ کے فضائل ومناقب اور اس کی قدرومنزلت کو نہایت واشگاف انداز میں بیان فرما دیا ہے۔ان میں سے کچھ یوں ہیں :

ہر عمل خیر کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے، مگر روزے کی بابت اللہ کا خصوصی حکم یہ ہے کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔روزہ دار آدمی کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت جس کا تجربہ اسے اس عالم اسباب میں ہوتا ہے اور دوسرے عالم آخرت میں اپنے رب سے ملنے کے وقت۔(صحیح مسلم)

روزے کا سب سے امتیازی پہلو یہ ہے کہ وہ ریاکاری اور نمود ونمائش کے ہر شبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔اسی وجہ سے اس عبادت میں مسلمان کی منافقت کی طرف جھکنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔یہ عذر نہ رکھنے والے تمام بالغ مسلمانوں پر فرض ہے۔

حضور اقدس –صلی اللہ علیہ وسلم– فرماتے ہیں :

جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے چوپٹ کھول دیے جاتے ہیں۔جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین پابند سلاسل کر دیے جاتے ہیں۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام رَیان ہے۔جس سے بروزِ قیامت صرف وہی لوگ گزریں گے جو روزہ رکھتے ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کا داخلہ وہاں ممنوع ہوگا۔یہ اعلان کر دیا جائے گا کہ صائمین کہاں ہیں آئیں اور اس میں داخل ہو جائیں؟ اور جب اُن میں کا آخری داخل ہو جائے گا تو پھر وہ دروازہ بند ہو جائے گا اور اس کے بعد کوئی داخل نہ ہوگا۔(صحیح مسلم، کتاب:۶ حدیث:۲۵۶۹)

روزہ (گناہوں سے) ڈھال ہے۔جب کوئی روزہ رکھے تو بدکلامی اور بدگوئی سے اجتناب کرے۔اور اگر کوئی جھگڑے پر آمادہ ہو تو اس سے صرف اتنا کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ روزے دار کے بارے میں فرماتا ہے کہ اس نے میری خاطر اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو چھوڑا ہے،
روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ (صحیح بخاری:۳۱/۳ حدیث:۱۱۸)

روزے سے متعلق کچھ دوسرے مسائل :

رمضان میں قصداً روزہ توڑنا ایک عظیم گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ رمضان میں روزہ توڑنے والے کا کفارہ قسم ظہار کی طرح ہے۔ (فتح القدیر)

رسول اکرم ﷺ شام کی باقاعدہ نماز ادا کرنے سے پہلے افطار فرمایا کرتے تھے۔ آپ افطار میں خود بھی جلدی کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کھجور اور پانی سے افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھتے :

اے اللہ میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا تو میرے روزہ کو قبول کر لے، یقیناً تو ہی ہر چیز کا سننے اور جاننے والا ہے۔

زکوٰۃ :

زکوٰۃ عاقل و بالغ صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے۔ یہ غریب مسلمانوں کو اپنے مال کا ایک خاص حصہ عام طور پر ڈھائی فیصد ہر سال ادا کرنا ہوتا ہے۔ اسلام اس کو صدقہ تصور نہیں کرتا بلکہ اللہ کے عطا کردہ ثروت مند لوگوں کے اموال میں غریبوں کا حصہ ہے۔

اسلام کا یہ نظام زکوٰۃ معاشی اتحاد یعنی آپس میں امن و امان اور باہمی تعاون کا وسیلہ ہے۔ یہ مال کی حرص و آز کو کم کرتا ہے اور آپس میں شفقت و کرامت قائم کر کے دولت کی خاطر بھڑکنے والے فتنوں کا سدباب کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشی امن و سلامتی قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی جہاں ایک طرف رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے تو وہیں مال کی محبت دل سے نکل کر حصول رزق کا ایک وسیلہ بن جاتی ہے۔ اور اچھے احساسات یعنی دوسروں سے غمگساری اور لطف و کرم کو ابھارتا ہے اور معاشی سلامتی کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

عمر نصوحی بلمس رقم طراز ہے :

زکوٰۃ کا لغوی معنی پاکیزگی، کثرت و برکات اور تزکیہ نفس ہے۔ جب کہ اس کی دینی اہمیت اپنے اموال میں سے اللہ کی خاطر مستحق مسلمانوں کو ایک معین وقت میں مال کی ایک مخصوص مقدار کا مالک بنا دینا ہے۔

زکوٰۃ بندے کی بندگی کی حیثیت سے اپنے کردار میں خلوص کا مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو صدقہ بھی کہتے ہیں۔ صدقہ کا مفہوم زکوٰۃ سے وسیع تر ہے؛ کیوں کہ وہ فرضی و نفلی مفاہیم کا حامل ہے۔ زکوٰۃ تزکیہ سے بھی عبارت ہے اور دینے والا مزکی کہلاتا ہے۔ گواہی کے بارے میں ستائشی الفاظ کو بھی تزکیہ کہتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ یہ ہجرت کے دوسرے سال روزے سے قبل فرض ہوئی۔ یہ اسلام کا ایک بنیادی ستون ہے۔ زکوٰۃ یعنی نقدی یا تجارتی اموال کا ایک خاص حصہ پورے سال

میں ایک دفعہ بلا تاخیر ادا کرنا چاہیے؛ کیوں کہ یہ فقرا کا حق ہے۔اس حق کی ادائیگی میں بغیر کسی شرعی عذر کے تاخیر کرنا نا قابل قبول ہے۔بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ اعلانیہ دی جائے تا کہ دوسروں کے لیے تحریک ورغبت کا سامان ہو جائے۔اس طرح زکوٰۃ ادا کرنے والا شبہ سے بالاتر ہو جائے گا۔چوں کہ زکوٰۃ فرض ہے اس لیے اس کو ریا ونمود کے سائے سے دور رکھنا چاہیے۔یہ نفلی صدقے کی طرح نہیں کیوں کہ اس میں خفیہ طور پر دینا افضل ہے۔

عمر نصوحی بلمس 'دی گریٹ اسلامک کیٹیکوم' کے ۳۱۱/۵ میں رقم طراز ہیں:

رسول اللہ ﷺ اللہ کی عطاؤں کا اکثر حصہ فی سبیل اللہ خرچ فرما دیا کرتے تھے۔اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا مطالبہ کر دیتا تو آپ کم وبیش پر نگاہ کیے بغیر اس کی ضرور تکمیل فرما دیتے،آپ ہمیشہ جو چیز میسر ہوتی اسے صدقہ فرما دیا کرتے تھے۔لینے والے شخص کی خوشی سے کہیں زیادہ آپ کو خوشی محسوس ہوتی۔رسول اللہ ﷺ چار قسم کی چیزوں سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا ہے:

۱: زرعی پیداوار اور میوے

۲: جانور،اونٹ مویشی

۳: سونا اور چاندی

۴: تمام قسم کے تجارتی سامان

حج:

ہر بالغ اور صحت مند انسان جس کا مال ضرورت سے فارغ ہو تو اس پر حج فرض ہے۔زندگی میں ایک مرتبہ مخصوص وقت میں کعبہ کی زیارت اور وقوف عرفات حج کہلاتا ہے۔حج کے دوران مختلف زبان،رنگ ونسل اور مختلف ثقافت وتمدن کے حامل لاکھوں مسلمان ایک ہی مقصد لے کر وہاں اکٹھے ہوتے ہیں یعنی ایک ہی فریضہ کو ادا کرتے ہوئے اللہ کی طرح رجوع اور ایک دوسری کی قربت۔یہ مسلمانوں کے باہمی مسائل پر غور وخوض کرنے اور ان کی تحلیل کا بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔حج ادا کرتے ہوئے جملہ مسلمان ایک لباس زیب تن کیے ہوتے ہیں جو موت کے بعد اس عظیم دن کی یاد دلاتا ہے جس میں لوگ اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کے حساب دہ ہوں گے۔یہ اہل ایمان کو خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔یعنی یہ ان کی توبہ قبول ہونے اور ان کی گناہوں کی مغفرت کا وسیلہ ہے۔مقدس مقامات کی زیارت سے جہاں ان کے احساسات قوی تر ہوتے ہیں وہیں ان میں ایک دینی اسلامی جذبے کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے۔

احرام کے دوران ممنوع کردہ چیزوں کے باعث انسان میں دوسرے حیوانات کے لیے جذبہ شفقت ومروت بھی بیدار ہو جاتا ہے،اور یہاں تک کہ حشرات الارض تک کو ضرر دینا بھی منع ہے۔اور تکلیف کے وقت میں صبر کا درس دیتا ہے۔جو لوگ اس فرض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ جہاں اللہ کی غلامی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں وہیں اپنے گرد موجود دوسروں کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بھی بن جاتے ہیں۔اور کم از کم اتنا ضرور سیکھ لیتے ہیں کہ دوسروں کو ضرر نہیں دینا چاہیے۔

سیرت طیبہ۔ ایک انمول نمونہ

THE EXCELLENT MODEL OF THE PROPHET'S LIFE

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

(سورۃ الاحزاب: ۳۳/۲۱)

بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

قرآن وحدیث اسلام کے دو بنیادی ماخذ ہیں۔ جن میں سے ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ان میں تفریق کردی جائے تو صحیح طور پر اسلام کی تفہیم مشکل ہوجائے گی۔ آخروی زندگی کی کامیابیوں سے ہمکنار ہونے کے لیے اسلام کے ان دونوں بنیادی ماخذوں کی صحیح معرفت اور ان پر عمل پیرائی اہل اسلام کے لیے از حد ضروری ہے۔ اخلاق قرآنی کے سانچے میں ڈھلی رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ قرآن کی چلتی پھرتی تفسیر ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام ۔علیہ السلام۔ نے فرمایا :

جس وقت میری اُمت میں فتنوں کا سیلاب آیا ہوا ہو، ایسے نازک وقت میں میری سنتوں کا فروغ کرنے والے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے خوش نصیب کو سو شہیدوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

جس وقت کی زبانِ رسالت نے نشان دہی فرمائی ہے، (ایسا لگتا ہے) وہ نہایت قریب آچکا ہے تو اِس عظیم وجلیل ثواب سے بہرہ مند ہونے کے لیے مسلمانوں کو جادۂ سنت پر گامزن ہوجانا چاہیے۔ ایک مسلمان کی روزمرہ زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے معلم کائنات ﷺ کے اخلاقِ عالیہ اور آپ کی سیرت طیبہ بہترین نقوشِ راہ ہیں۔ کیوں کہ آپ کا ہر قول وفعل نگرانی خداوندی میں انجام پاتا ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ اور اچھے آداب :

قرآن کریم میں اللہ رب العزت حضور اقدس ﷺ سے خطاب فرمارہا ہے :

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورۃ قلم: ۶۸/۴)

اور (اے حبیب مکرم!) بے شک آپ عظیم الشان خُلق پر قائم ہیں۔ (یعنی آداب قرآنی سے مزین اور اخلاق عالیہ سے متصف ہیں۔)

ایک حدیث شریف کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

میری بعثت کا مقصد ہی یہی ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ (بیہقی)

یہ حدیث اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ محسن اُمت ﷺ کی حیات مبارکہ اُسوۂ حسنہ کا سرچشمہ ہے مسلمان اِس راہ پر چل کر ہی مقصود آشنا ہوسکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے جنھوں نے اپنی ممتاز شخصیت اور اخلاقِ حسنہ کے ذریعے اسلام کا پیغام پھیلا کر انسانیت کے لیے ایک مثال قائم فرمادی ہے۔ اسی وقت سے مختلف انسانوں نے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ ۔رضی اللہ عنہا۔ فرماتی ہیں :

رسول اللہ ﷺ کا اخلاق کریمہ یہ تھا کہ آپ فحش کلامی کرنے اور سننے سے اجتناب کرتے تھے، اور بازاروں میں چیختے نہ تھے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے، ہاں آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے تھے، اور پھر اس کا کبھی ذکر بھی نہ فرماتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ سے ایک مرتبہ اخلاقِ محمدی کے بابت یوں سوال ہوا :

اے ام المومنین! ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق مبارکہ کے بارے میں کچھ بتائیں؟ تو آپ نے برجستہ جواب دیا: کیا تم نے سورۂ مومنون نہیں پڑھی؟ اس کی ابتدائی دس آیتیں پڑھو۔ سمجھو کہ حضور ﷺ کا اخلاق ان آیتوں کا آئینہ دار ہے۔ (صحیح بخاری)

یہ ارشادِ نبوی کہ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں" (صحیح بخاری، صحیح مسلم) اس امر پر زور دیتا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ ہدف حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ تو اہلِ اسلام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ برے اخلاق سے دست بردار ہو کر اچھے اخلاق و کردار سے خود کو مزین کر لیں۔

اچھے اخلاق گناہوں کو یوں ہی زائل کر دیتے ہیں جیسے پانی گندگی کو۔ اور برے اخلاق، اعمال کو ایسے ہی غارت کر دیتے ہیں جیسے سرکہ شہد کو۔ (معجم طبرانی)

تم میں مجھ کو سب سے زیادہ عزیز وہ ہے اور بروزِ قیامت مجھ سے سب سے زیادہ نزدیک وہ ہوگا جو اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ (سنن ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی نظر میں بری صفات رکھنے سے بدتر کوئی گناہ نہیں کیوں کہ بدخصلت ابھی ایک گناہ سے نکلتا بھی نہیں کہ دوسرے گناہ میں گھر جاتا ہے۔ (اصبہانی)

ایسا شخص جس کے اخلاق کردار اور اوصاف و خصائل عمدہ ہوں وہ دونوں جہاں میں سرخرو ہے۔ (معجم طبرانی)

صاحبِ اخلاقِ حمیدہ اپنے اخلاق سے وہ درجہ پالیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے والا اور رات بھر عبادت کرنے والا نہیں پاسکتا۔ (سنن ابوداؤد)

قیامت کے دن میزانِ عمل پر سب سے زیادہ وزن دار چیز انسان کے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (سنن ابوداؤد، جامع ترمذی)

حضور اقدس ﷺ نے آغازِ نماز سے پہلے مندرجہ ذیل دعا پڑھی :

اے اللہ! مجھے اچھے اخلاق کی توفیق سے نواز۔ تیرے علاوہ اور کون ہے جو اخلاقِ عالیہ کی طرف رہبری فرمائے، اور مجھ سے بری خصلتیں دور کرے۔ بلاشبہ ایسا کرنے پر صرف تو ہی قادر ہے۔ (صحیح مسلم)

عفو و درگزر کی فضیلت :

قرآن حکیم میں ہے :

وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۂ تغابن:۱۴)

اور اگر تم صرفِ نظر کرلو، اور درگزر کرو اور معاف کرو تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو بڑا ہی حلیم و بردبار ہونا چاہیے نیز یہ کہ ان کے اندر ایک دوسرے کو معاف کر دینے کی عادت بھی ہونی چاہیے۔

حضور اکرم ﷺ نے دوسروں کو معاف کر دینے کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے نیز فرمایا کہ ایسا کرنے سے باہمی تعلقات کی اساس پختہ تر ہوجاتی ہے اور مسلمانوں کے درمیان خیرخواہی کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے کبھی کسی سے کوئی بدلہ نہ لیا بلکہ آپ کی شان کریمی کا عالم یہ تھا کہ آپ دشمنوں کو بھی معاف فرمادیا کرتے تھے۔

ارشادِ رسالت ہے :

انکسار و شرافت سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ پاکباز ہوتا کہ اللہ تمہاری قدر و منزلت میں اضافہ فرمائے۔

معافی 'انسان کی عزت و عظمت میں چار چاند لگا جاتی ہے تو درگزر کی عادت بناؤ تا کہ اللہ تم پر ابرِ کرم برسائے۔ (اصبہانی)

مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی سے کام لینا چاہیے۔ عداوت و انتقام کے جذبات کی ان کے یہاں کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ عفو و درگزر۔ جو دارین میں انسان کے مرتبہ کو بلند کرتا ہے۔ اتفاق و اتحاد کے احساسات پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

جو تم سے قطع تعلق کرنا چاہے تم اس کے ساتھ تعلق بڑھاؤ، جس کو تم سے کسی چیز کی امید نہ ہو اس کو بھی اپنی عطا و بخشش سے کچھ حصہ دو، اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دیا کرو۔ (بیہقی)

اپنے اندر رحم کی عادت ڈالو تا کہ تم پر بھی رحم کیا جائے۔ معافی کی عادت ڈالو، اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کر دے گا۔ ہلاکت ہو ان لوگوں کے لیے جو بدکلامی سننے کے عادی ہوں۔ وہ لوگ بھی ہلاک ہوں جو اپنے گناہوں پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔ (احمد ضیاء الدین۔ رموز الاحادیث:۱/۷۰۔۱۰)

تجارت اور صداقت کی فضیلت:

علمائے کرام اور اساطین امت نے نبی کریم ﷺ کی امانت وصداقت کو آپ کی پیغمبری کی عظیم صفت قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ بھی آپ کی صداقت وراست بازی کے معترف رہے ہیں۔ طلوعِ اسلام کے ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ نے تمام لوگوں کو اپنے روزمرہ کے معاملات میں امانت داری اُتار لینے کی دعوت دی تھی۔

سچائی، نیکی کی راہ دکھاتی ہے، اور نیکی، جنت میں لے جاتی ہے۔ ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ (ایک دن) وہ صادق وامین بن جاتا ہے۔ جھوٹ برائی اور بدمعاشی کی راہ دکھاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں جہنم میں جانے کا ذریعہ ہیں۔ (صحیح بخاری)

سچائی کی عادت بناؤ اور ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرو؛ کیوں کہ سچ بول کر آپ خود کو نیکی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں اور نیکی بہشت کی جانب رہبری کرتی ہے۔ اور جب ایک آدمی مسلسل سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کو اپنی زندگی میں رچا بسا لیتا ہے تو اُسے اخلاص ووفا کی دولت نصیب ہوتی ہے، اور اللہ کے نزدیک اس کا نام سچوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بہر حال دور رہنا چاہیے کیوں کہ جھوٹ ہلاکت وبربادی کی راہ پر ڈال کر جہنم میں جانے کی راہیں استوار کردیتا ہے۔ اور جب ایک آدمی مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے تو اس کا نام اللہ کے نزدیک بڑے جھوٹوں کی فہرست میں رقم کردیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

ساڑھے نو حصہ رزق تجارت سے حاصل ہوتا ہے۔ (غریب الحدیث)

تاجروں کے صادق وامین ہونے کی بابت بے شمار حدیثیں مروی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضور شافع محشر ﷺ نے یہ خوشخبری دی ہے کہ ایک تاجر بروزِ قیامت شہیدوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ وہ لوگ جو صداقت وراست بازی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے انھیں دونوں جہاں میں ناقابل تصور مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار رکھنا چاہیے۔

قیامت کے دن خوفِ خدا رکھنے والے، سچے اور نیک تاجروں کے علاوہ باقی اور تجار اپنے گناہوں کی وجہ سے سخت مصیبت میں ہوں گے۔ (سنن ترمذی)

بروزِ قیامت سچے تاجر سایۂ عرش کے نیچے ہوں گے۔ (اصبہانی)

بائع اور مشتری جب تک جدا نہ ہوئے ہوں اس وقت تک انھیں سامان لینے اور لوٹانے کا حق حاصل ہے۔ بائع ومشتری اگر سچ بولیں اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں تو وہ معاملہ ان کے لیے موجب برکت ہوگا۔ اور اگر عیب کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو پھر اس کاروبار سے برکت جاتی رہے گی۔ (صحیح بخاری)

جو مال بیچتا ہے وہ اپنا رزق پالیتا ہے۔ اور جو دام بڑھنے کی امید پر اپنا مال کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے تو وہ لعنت خداوندی کا نشانہ بنتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(مال کی) خرید وفروخت میں قسمیں کھانے سے پرہیز کرو، اس لیے کہ قسم سے اس وقت کام تو چل جاتا ہے مگر برکت

کاستیاناس ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

مسلمان کی یہ شان نہیں کہ تجارت کے جھمیلوں میں گم ہو کر اپنی نمازوں اور دیگر دینی ذمہ داریوں کو خیر آباد کہہ دے، اگر انھوں نے اِس دنیا کو کمانے کے لیے ایسا کیا تو انھیں اُس دنیا کے خطرات سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ رحمت ہے :

اللہ تعالیٰ نے مجھے مال جمع کر کے کوئی بڑا تاجر بن جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس نے مجھے تا حین حیات اپنا ذکر اور اپنی عبادت وریاضت کرنے کو کہا ہے۔ (ابن مردویہ)

جو شخص اپنا عیب دار مال اس کے عیب کو ظاہر کیے بغیر کسی کو بیچ دے تو وہ شخص مستقل غضب الٰہی میں رہے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

مسلمانوں کے جملہ اعمال جو احکام الٰہی کے تحت سر انجام دیے جاتے ہیں کارِ عبادت میں شامل ہوتے ہیں۔

حضرت ابو بکر- رضی اللہ عنہ- کے زمانے میں مسلم تاجروں نے پیغام الٰہی کے فروغ کی خاطر فلپائن تک کا سفر کیا۔ وہاں آج جو مسلم آبادی ہیں وہ مہاجرین اولین ہی کی نسلیں ہیں جو بہت پہلے مہاجر تجار کے ہاتھوں پر ایمان لے آئے تھے۔ یہ مثال ہمیں بتاتی ہے کہ جب تک لوگوں نے اپنی دینی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کیا تھا وہ اسلام کے لیے کتنے نفع رساں تھے، خواہ ان کی پوزیشن جو بھی رہی ہو۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل کی ہوئی غذا پاکیزہ ترین ہوتی ہے۔

سب سے بہتر (حلال) کھانا وہ ہے جو اپنے ہاتھوں کی کمائی سے اکٹھا کیا جائے۔ (صحیح بخاری)

سخاوت کی فضیلت :

ایک مخلص مومن کے لیے جو صفت سب سے زیادہ شایانِ شان ہے وہ یہ ہے کہ مشکل گھڑی میں اور محرومی کے وقت صبر سے کام لے۔ ایسے عالم میں جو اللہ ورسول پر ٹھوس ایمان رکھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اپنے بہترین وسائل کو بروئے کار لائے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کی اس وسوسہ اندازی سے- کہ خرچ کرنے سے کہیں مال میں کمی نہ آ جائے- سے بچنے کی تنبیہ فرماتا ہے۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ٥ (سورۂ آل عمران: ۱۸۰/۳)

اور جو لوگ اس (مال ودولت) میں سے دینے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے وہ ہرگز اس بخل کو اپنے حق میں بہتر خیال نہ کریں بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے، عنقریب روزِ قیامت انھیں (گلے میں) اس مال کا طوق

پہنایا جائے گا جس میں بخل کرتے رہے ہوں گے اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے (یعنی جیسے اب مالک ہے ایسے ہی تمہارے سب کے مرجانے کے بعد بھی وہی مالک رہے گا) اور اللہ تمہارے سب کاموں سے آگاہ ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے سخاوت و اسراف کے درمیان بہت ہی واضح خط امتیاز کھینچ دیا ہے۔ آپ نے کبھی بھی کسی منگتے کو "نا" نہ کہا۔ اور ہمیشہ لوگوں کی درخواست پوری کرنے کی سعی مبارک فرمائی۔ اپنی فطری شفقت و مہربانی کے پیش نظر آپ کبھی بھی کسی کی ہدایت و امداد میں پیچھے نہ رہے۔ ایک حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ (گھر میں کچھ نہ ہونے کی وجہ سے) آپ نے ایک ضرورت مند شخص کو اپنے نام پر قرض لینے کا حکم دے دیا۔

حضرت علی۔ کرم اللہ وجہہ۔ سخاوت محمدی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

حضور اقدس ﷺ دنیا کے سب سے فیاض و سخی اور سچے انسان تھے۔ آپ کا دل تمام انسانوں سے زیادہ نرم اور اپنے کلام میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ آپ شریف ترین فطرت کے مالک اور معزز ترین خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کو دیکھ کر لوگ مارے ہیبت و ادب کے کھڑے ہو جاتے۔ اور آپ کے شیدائی آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ جنھوں نے بھی شمائل محمدی بیان کیے انھوں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرح انھوں نے ان کے پہلے اور ان کے بعد کسی کو نہ دیکھا۔ (سنن ترمذی)

سخاوت سے متعلق کچھ ارشادات نبوی :

اللہ تعالیٰ خود بھی سخی ہے اور وہ سخاوت اور اچھے کردار کو پسند کرتا ہے، جب کہ برے کردار اسے نہیں بھاتے۔ (الخرائطی)

سخاوت، جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے، جس کی شاخیں دنیا تک لٹکی ہوئی ہیں؛ جو اس شاخ کو پکڑ لیتا ہے تو وہ شاخ اسے جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ (صحیح ابن حبان)

اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ نیک بندوں کو سخاوت اور اخلاق حسنہ کی صفت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ (دارقطنی)

دو خصلتیں ایسی ہیں جنھیں اللہ پسند فرماتا ہے اور دو خصلتیں اسے ایک نہیں بھاتیں۔ وہ دو خصلتیں جو اسے پسند ہیں وہ سخاوت اور اچھا کردار ہے۔ اور وہ دو خصلتیں جو اسے نہیں بھاتیں وہ بخل اور برا کردار ہے۔ (دیلمی)

لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نوازنا، ہر کسی کو سلام کرنا اور خوش گفتاری سے کام لینا ایسی خصلتیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی بخشش کا فیضان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فیاض بندے ہیں جو اللہ کی عطا کردہ تمام چیزیں لوگوں کی خیر خواہی میں صرف کر دیتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اس کی انجام دہی میں ناکام ہو گیا تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت ان سے لے کر دوسروں کو دے دیتا ہے۔ (معجم طبرانی)

فیاض دل آدمی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور عامۃ الناس کے قریب ہوتا ہے۔ جنت کے نزدیک اور جہنم سے دور ہوتا ہے۔ جب کہ کنجوس شخص اللہ رب العزت اور لوگوں سے بعید ہوتا ہے۔ جنت سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی)

تعاون کی فضیلت :

حضور اکرم ﷺ کی کتاب حیات تعاون اور ایک دوسرے کی مدد سے بھری ہوئی ہے۔آپ نے ہمیں مطلع کیا کہ بہترین مدد وہ ہوتی ہے جو خفیہ طریقہ پر کی جائے۔ارشادِ رسالت ہے :

سات خوش نصیب ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ قیامت کی چلچلاتی دھوپ میں سایہ عطا کرے گا جس دن کہ اس سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا:.....ایک وہ شخص جس نے راہِ خدا میں صدقہ کیا اور اس طرح کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا۔دوسرے وہ بندۂ خدا جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور خوف خدا سے اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے۔(صحیح مسلم:۵حدیث:۲۴۲۸)

شیطان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال و دولت کو خرچ کرنے کے سلسلے میں مستقبل کے حوالے سے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور اس طرح وہ ان کے اندر کنجوسی کے بیج بوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کے لیے ایک بڑے سانحے کی بات ہے (کہ شیطان کے اس وسوسے پر کان دھریں)۔

خرچ کرو اور گنتی نہ کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے نامہ اعمال میں اس کا حساب کرے گا۔اور بخل سے کام نہ لو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے فضل و کرم روک لے گا۔(صحیح مسلم:۵حدیث:۲۴۳۳)

جو شخص کسی مقروض کی مصیبت میں کام آئے یا اس کا قرض اس کی طرف سے ادا کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا سایہ رحمت عطا فرمائے گا۔(صحیح مسلم:۲۰حدیث:۱۳۹۷)

جو شخص اپنے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن حال یہ ہوگا کہ اس دن (سونے، چاندی اور مال) دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور جب وہ بجھنے پر آئیں گی تو انھیں پھر دوبارہ دہکا دیا جائے گا، اور یہ اس دن کی بات ہے جو دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔یہاں تک کہ بندوں کے فیصلے سنا دیے جائیں۔(صحیح مسلم:۵حدیث:۲۱۶۱)

تواضع کی فضیلت اور تکبُّر کی نحوست :

حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ان تمام خصائل حمیدہ کی جامع تھی جن کی بنی نوع انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔آپ کا تواضع و انکسار پوری امت کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔

ایام حج میں دیگر صحابہ کرام کے ساتھ خود حضور ﷺ بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں لگے رہتے تھے۔دوسروں کی طرح آپ بھی اونٹ پر سوار ہوتے یا کسی خچر کی سواری فرماتے۔آپ مریضوں کی عیادت فرماتے، مسلم میتوں کے نماز جنازہ میں شریک ہوتے اور امیر و غریب کے درمیان کوئی امتیاز نہ فاصلہ نہ رکھتے، آپ غلاموں کی دعوتوں پر بھی لبیک فرماتے۔جب کہ قبیلے کے بہت سے لوگ خود کو ان سے برتر سمجھتے تھے۔اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے کو اپنے لیے عار محسوس کرتے، لوگوں نے رسول اللہ

ﷺ کو خود اپنے نعلین کی مرمت کرتے اور اپنے کپڑے سلتے دیکھا۔ جب آپ بچوں کو کھیلتا دیکھتے انھیں مسکرا کر سلام ودعا پیش کرتے تھے۔

ذیل میں دیے گئے خلیفہ اول یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق –رضی اللہ عنہ– کے یہ مشہور کلمات اس امر کا کھلا ثبوت ہیں کہ آپ نے حضور ﷺ کے تواضع کو بطورِ نمونہ اپنی زندگی میں اتار لیا تھا :

اے لوگو! مجھے تمہارا امیر بنا دیا گیا ہے گرچہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ مگر چوں کہ قرآن نازل ہو چکا ہے اور نبی کریم –علیہ السلام– کی سنتیں ظاہر ہو چکی ہیں۔ میں تو سوا اس کے کچھ بھی نہیں کہ ان کا ایک حقیر پیرو ہوں۔ میں کوئی نئی چیز نہیں قائم کرنے جا رہا ہوں۔ اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو میرے گرد اکٹھا ہو کر میری پشت پناہی کریں اور اگر کوئی خامی ہو تو میری اصلاح کریں۔ میں اپنی تقریر اس پر ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے۔(مواضع صحابہ:۱۷)

حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا :

جو اللہ تعالیٰ کے لیے جتنی تواضع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قدر و قیمت میں اتنا ہی اضافہ کرتا رہے گا۔ یوں ہی جو بندہ جس قدر متکبر ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی ذلت و نکبت میں اضافہ کرتا رہے گا یہاں تک کہ اذل الاذلین میں کر دے گا۔(سنن ابن ماجہ)

ایک مرتبہ دورانِ گفتگو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر کی بو ہو گی وہ جنت میں نہ جائے گا۔ سامعین میں سے کسی نے عرض کیا: واقعی انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا لباس اور اس کا جوتا بہتر ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ خود بھی حسین ہے اور حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔ حق کو جھٹلانا اور لوگوں سے نفرت کرنا کبر کہلاتا ہے۔(صحیح مسلم:۱، حدیث:۱۶۴)

اللہ تعالیٰ اس کے درجے بڑھاتا ہے جو اپنے ایک مسلم بھائی کے لیے تواضع وانکسار کرتا ہے۔ اور جو اپنے بھائی پر بڑائی دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرتا ہے۔(معجم طبرانی)

حضرت زید بن ثابت –رضی اللہ عنہ– فرماتے ہیں :

حضور اقدس ﷺ بلا تفریق ہر کسی سے خوش اخلاقی اور شائستگی کے ساتھ ملتے تھے۔ جو موضوع بھی زیرِ بحث ہوتا اس میں آپ بھی حصہ لیتے۔ اگر ہم کبھی دنیوی معاملات کی بابت تبادلۂ خیال کرتے تو آپ بھی اس پر اپنی رائے مبارک دیتے۔ جب ہم آخرت کے مسائل پر گفتگو کرتے تو آپ بھی اس کے گوشوں پر روشنی ڈالتے۔ جب ہم کھانے پینے کی باتیں کرتے تو آپ اس پر بھی اظہارِ خیال فرماتے۔ الغرض آپ پوری گرم جوشی اور تبسم لبی کے ساتھ اس میں حصہ لیتے اور کبھی گفتگو میں خلل ڈالنے کا سبب نہ بنتے جب تک کہ کوئی غیر شائستہ بات زیرِ موضوع نہ آتی۔

معلم کائنات ﷺ ادب واحترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر مسلمان کے ساتھ یکساں برتاؤ فرماتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے مصافحہ کے دوران اپنا ہاتھ پہلے کھینچ لینے کی کبھی کوشش نہ کی جب تک کہ مصافحہ کرنے والا خود نہ

کھینچ لے۔(سنن ابن ماجہ)

میں نے ایسا کبھی نہ دیکھا کہ کسی نے اپنا منہ نبی کریم ﷺ کے گوش مبارک کے قریب کیا ہو اور آپ نے اپنا سر ہٹا لیا ہو بلکہ جب تک وہ آدمی اپنا سر نہ ہٹاتا آپ بدستور اپنے گوش اس کی ساعت میں مصروف رکھتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا ہو الایہ کہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ کھینچ لے۔(سنن ابوداؤد)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

وہ شخص کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔ اور وہ شخص کبھی جہنم میں نہیں داخل کیا جا سکتا جس کے دل میں میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہو۔(سنن ابن ماجہ)

متکبر و مغرور اور خود بیں کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔(سنن ابوداؤد)

تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ نہ کبھی کلام فرمائے گا اور نہ انھیں قیامت کے دن بخشے گا۔ ظالم حکمراں، اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دینے والا دولت مند۔ اور بدحال متکبر و مغرور۔(صحیح بخاری)

کیا میں تمھیں جہنمی لوگوں کی خبر نہ دے دوں؟ ہر وہ انسان جو جھگڑالو، متشدد، متکبر اور خود پسند ہو۔(صحیح بخاری: ۲/۸۷ حدیث: ۹۷)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو، سر کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے گا۔(بیہقی)

رسول اللہ ﷺ کا انداز کلام نہایت ممتاز اور پرشکوہ تھا اور آپ کے چہرۂ اقدس پر ہر وقت مسکراہٹوں کا بسیرا ہوا کرتا تھا۔ آپ نے کبھی کسی کی دل شکنی نہ کی اور نہ سخت کلامی کر کے اس کے احساس کو ٹھیس پہنچایا۔ حضرت انس بن مالک۔ رضی اللہ عنہ۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

میں نے کوئی دس سال حضور کریم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں بحیثیت خادم گزارے ہیں۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ انھوں نے کبھی مجھ "اُف" کہا ہو۔ اگر میں نے کبھی کوئی (قابل اعتراض) چیز کردی تب بھی آپ نے مجھ سے کبھی یہ نہ کہا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ اگر کبھی میں نے اپنی ذمہ داری کی کماحقہ تکمیل نہ کی تب بھی آپ نے مجھ سے کبھی یہ نہ پوچھا کہ میں نے اس کو کیوں نہیں کیا۔(سنن ترمذی)

حضور رحمت عالم ﷺ فرماتے ہیں:

قیامت کے دن خود بیں زیر قدم دانوں کی مانند کچلے جائیں گے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان سے بڑی محسوس ہو گی۔ پھر ان کو جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں کی نذر کر دیا جائے گا۔ آتش جہنم ان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ جہنمیوں کی پیپ سے ان کی پیاس بجھائی جائے گی جو ان کو جلا اور پگھلا دے گی۔(سنن ترمذی)

جس طرح اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والوں کی عظمت و شوکت میں اضافہ فرماتا ہے اسی طرح تواضع و انکسار کرنے والوں کو بھی شان عطا فرماتا ہے۔(صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی کہ میں متواضع و منکسر المزاج ہوں، تا کہ ایک دوسرے پر ظلم اور کبر و نخوت کا خاتمہ ہو جائے۔(سنن ابوداؤد)

اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کی ستائش فرماتا ہے جو رضائے الٰہی کے لیے تواضع وانکسار کا مظاہرہ کرے۔(صحیح مسلم)

ایفائے عہد:

قرآن کریم کے اندر وعدوں کی پاسداری کو اہل ایمان کی ممتاز صفات سے بتایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں بیان فرماتا ہے کہ مومن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔(سورۂ مومنون:۸)

تمام انسانوں میں اہل ایمان اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اپنے وعدوں کا ایفا کریں اور ان کے اوپر ڈالی گئیں دوسروں کی ذمہ داریوں کو پوری کریں۔اور نبوی اخلاق کا مظاہرہ کرکے ایک سنہری مثال قائم کریں۔

حضرت علی-رضی اللہ عنہ-بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت موجود تھا جب آپ ایک صحابی کے ساتھ محو گفتگو تھے (وہ پوچھ رہا تھا) اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے سب سے آسان اور مشکل ترین گوشوں کی بابت بتائیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے جواباً فرمایا کہ سب سے آسان تو یہی ہے کہ اللہ پاک کی وحدانیت اور محمد کی عبدیت ورسالت کی گواہی دے دو۔اور سب سے مشکل یہ ہے کہ وعدوں کی پاسداری کی جائے، ان لوگوں کے ساتھ جو ایفائے عہد کے عادی نہ ہوں۔ایسے لوگوں کا کوئی دین نہیں ہوتا، نہ تو ان کی نمازیں مقبول اور نہ ان کی زکوتیں منظور۔(مسند بزار)

.....جب بھی بولو سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو پورا کرو، تمہارے پاس دوسرے کی جو امانت ہے اسے ایمانداری سے لوٹا دو.....(سنن بیہقی)

جس طرح بغیر وضو کے کسی کی نماز کے بارے میں کوئی گفتگو کرنا فضول ہے اسی طرح اس شخص کے پختگی ایمان کے بارے میں گفتگو کرنا بھی فضول ہے جو اپنے وعدے پورے نہیں کرتا۔(معجم طبرانی)

منافق کی تین نشانیاں ہوتی ہیں: جب بولے جھوٹ بولے۔وعدہ کرے تو پورے نہ کرے۔اور جب امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ سورۂ نحل میں فرماتا ہے:

وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِ اللّٰہِ اِذَا عٰہَدۡتُّمۡ وَ لَا تَنۡقُضُوا الۡاَیۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡکِیۡدِہَا وَ قَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰہَ عَلَیۡکُمۡ کَفِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ○ (سورۂ نحل:۹۱/۱۶)

اور تم اللہ کا عہد پورا کر دیا کرو جب تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد انہیں مت توڑا کرو حالاں کہ تم اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنا چکے ہو، بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

ذکر الٰہی کی فضیلت :

تمام نیکیوں کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ کو یاد کیا جائے۔ ہم پر فرض وواجب کیے گئے تمام اعمال کی اصل یادِ الٰہی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :

میدانِ محشر میں اللہ تبارک تعالیٰ سات خوش نصیبوں کو سایہ رحمت عطا فرمائے گا جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (ان سات میں سے ایک وہ ہے) جس کی آنکھیں خلوت میں یادِ الٰہی کے وقت سیلاب کی طرح بہ پڑیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

نیز ایک دوسری حدیث میں کلمہ لاالہ الا اللہ کی فضیلت یوں وارد ہوئی ہے :

اللہ فرماتا ہے: اگر ساتوں آسمان اپنے باسیوں سمیت اور ہفت زمین کو ایک پلڑے پر اور کلمہ شریف کو دوسرے پلڑے پر رکھا جائے تب بھی کلمہ والا پلڑا اس سے باوزن ہوگا۔ (معجم طبرانی)

حضور رحمت عالم ﷺ ہمیشہ خود کو کسی نہ کسی طور پر مصروف ذکر الٰہی رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حصول قرب کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کے ذکر کی کثرت کی جائے۔ آپ ذیل کی یہ آیتیں دیکھیں :

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔۔۔

(سورۂ آل عمران:۳/۱۹۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما اس کی عظمت اور حسن کے جلووں) میں فکر کرتے رہتے ہیں.......

وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَۃً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ..... (سورۂ اعراف:۷/۲۰۵)

اور اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کیا کرو عاجزی وزاری اور خوف وخستگی سے اور میانہ آواز سے پکار کر بھی، صبح وشام (یادِ حق جاری رکھو).......

معلم کائنات ﷺ نے اپنی حیات مستعار کو تعلیم قرآن کے ساتھ اللہ کے عطا کردہ علوم کو زیورِ عمل سے آراستہ کرنے میں گزار دی۔ آپ جب مجموعہ احادیث پر نظر دوڑائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور اقدس ﷺ کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، قبل نوم، دورانِ وضو، کپڑے زیب تن فرماتے وقت، دورانِ سفر، دخول مسجد الغرض آپ کی ہر ہر ادا ذکر الٰہی کی لذتوں سے سرشار تھی۔

رسول گرامی وقار علیہ السلام فرماتے ہیں :

فرمانِ الٰہی ہے: میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے لبوں سے میرے ذکر کی

خوشبو پھوٹتی ہے۔ اگر وہ مجھے خفیہ طور پر یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے (اپنی شان کے لائق) خفیہ طور پر یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی بھرے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ اگر میرا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھتا ہے تو میں ایک گز (یہ قریباً ۶۸ سینٹی میٹر یا کوئی ۲۷ انچ کے قریب لمبائی کا ایک پیمانہ ہے) اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ اگر میرا بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ تو اس طرح سمجھ لیں کہ میں اپنے بندوں کی التجاؤں کا جواب کس قدر جلد دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

کیا میں بہترین اعمال اور اللہ کی نظروں میں پاکیزہ چیز کی تمھیں خبر نہ دے دوں جس سے تمہارے درجے ترقی کر جائیں، جو تمہارے لیے سونا و چاندی خرچ کرنے اور اس سے بہتر ہو کہ تم اپنے یا اللہ کے کسی دشمن سے ملو اور وہ تمھیں قتل کر دے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے عمل کی ہمیں ضرور خبر دی جائے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ (سنن ترمذی)

مسلمانوں کے مابین ایثار و قربانی کی فضیلت :

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ○

(سورۃ نساء: ۴/۱۳۹)

(یہ) ایسے لوگ (ہیں) جو مسلمانوں کی بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ پس عزت تو ساری اللہ (تعالیٰ) کے لیے ہے۔

سورۂ صف کی چوتھی آیت میں اس حقیقت کو یوں بے نقاب کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں ایسا ہونا چاہیے جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ مسلمان اپنے ایمان و اعتقاد، اپنی ایثار و قربانی اور مصالحت میں دوسروں سے مختلف ہیں کیوں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے (کے دُکھ درد) کو محسوس کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو ان نیکیوں کو اُمت مسلمہ سے الگ ہٹ کر کھیں اور آزمانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ دونوں جہان میں بڑے خسارے میں ہوں گے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ درج ذیل حدیث اسی حوالے سے ارشاد فرمائی ہے :

جس نے ہماری جماعت سے ایک بالشت بھی جدائی اختیار کی سمجھ لیں اس نے قلادۂ اسلام کو اپنی گردن سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ (سنن ابوداؤد)

کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ اپنے کسی دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (موطا امام مالک: ۴۷ حدیث: ۱۳، ۲، ۴۷)

کسی مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے عیوب بیان کرتا پھرے۔ اس سے ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی اور نیک جذبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کا حق یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی غلطیوں کا انکشاف اور دوسروں کے سامنے اس کی تحقیر کرنے کی بجائے اس کی غلطیوں کی اصلاح کرنے میں اس کی مدد کرے۔

سرورِ کائنات ﷺ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے :

اگر کسی نے کوئی چھپا رکھی جانے والی چیز دیکھی اور اسے چھپائے رکھا تو یہ اس شخص کی طرح ہے۔جس نے کسی دفن شدہ لڑکی کی لاش میں زندگی کی روح پھونک دی۔(سنن ابوداؤد)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔وہ نہ تو خود اس کو مشقت میں ڈالے،اور نہ ناانصافی کے وقت اس کو تنہا چھوڑ دے۔جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کی تکمیل میں ہوتا ہے۔اور جس نے کسی مسلمان سے کسی تکلیف کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکل آسان کردے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ عرصہ محشر میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔(صحیح مسلم)

مسلمانوں کو محض رضائے الٰہی کی خاطر آپس میں محبت واُلفت رکھنا چاہیے۔کسی دنیاوی غرض کے باعث کی جانے والی محبت کتاب وسنت کے سراسر خلاف ہے۔حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

بروزِ محشر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلان فرمائے گا:کہاں ہیں میرے وہ بندے جو محض میری رضا وثنا کے لیے آپس میں محبت کیا کرتے تھے۔آج جب کہ میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں تو میں انھیں اپنے سایہ تلے جگہ دوں گا۔(صحیح مسلم)

تم میں سے کوئی اس وقت تک حلاوتِ ایمانی سے شاد کام نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی کو محض اللہ کی رضا کی خاطر پیار نہ رکھے..........(صحیح بخاری)

سب سے زیادہ کامل الایمان وہ شخص ہے کہ جو کسی اور دلچسپی کے باعث نہیں بلکہ صرف رضائے الٰہی کی خاطر کسی سے محبت کرتا ہے۔یہی سچا عقیدہ اور کامل ایمان ہے۔(معجم طبرانی)

اگر کوئی کسی سے محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر پیار کرتا ہے اور اس سے کہتا بھی ہے کہ میں تم سے اللہ کے لیے پیار کرتا ہوں تو دونوں جنتی ہیں۔ہاں! پیار کرنے والے کا درجہ دوسرے کی بہ نسبت بلند ہے۔(مسند بزار)

اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو نہ تو نبی ہیں اور نہ شہید۔تعلق باللہ کے حوالے سے ان کی حیثیت یہ ہوگی کہ وہ بروزِ قیامت انبیاء وشہداء کے محبوب ومعشوق ہوں گے۔لوگوں نے عرض کیا:یارسول اللہ! بتایا جائے ایسے لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا:وہ ایسے خوش نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے محض اللہ کی خاطر محبت کرتے،اور کوئی ذاتی رشتہ وتعلق نہ ہونے کے باوصف ایک دوسرے کو ہدیہ وتحفہ دیتے تھے۔مجھے اللہ پاک کی عزت کی قسم! ان کے چہرے نور نور ہوں گے اور انھیں اس وقت بھی کوئی خوف وغم نہ ہوگا جس وقت لوگوں پر خوف وغم کی کیفیت طاری ہوگی۔(مسند احمد)

تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک ایمان نہیں لا سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔(صحیح مسلم)

جو اللہ کی خاطر مدد کرتا ہے،اللہ ہی کی خاطر مدد روکتا ہے،اللہ کی خاطر محبت کرتا ہے،اللہ کی خاطر شادی کرتا ہے اور

رضائے الٰہی کی خاطر شادی کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔تب جا کر اس کا ایمان تکمیل آشنا ہوتا ہے۔(سنن ترمذی)

ہمیشہ اہل اسلام کے ساتھ دوستی کرو، اور خوف الٰہی رکھنے والوں پر اپنا کھانا پیش کیا کرو۔(صحیح ابن حبان)

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کیا کرتا تھا۔(صحیح بخاری۔صحیح مسلم)

رحم ومروت اور وداد ومحبت میں مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں کہ اگر جسم کا کوئی حصہ تکلیف کی وجہ سے شکایت گزار ہوتو سارا جسم بخار اور بے آرامی کا شکار ہوجاتا ہے۔(صحیح بخاری۔صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی باہمی محبت وعقیدت کا نقشہ ذیل کی آیت میں یوں کھینچا ہے :

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رَاكِعُونَ ٥ وَ مَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ٥ (سورۂ مائدہ: ۵/۵۵تا۵۶)

بے شک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا تو (وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں۔

ظلم کا تدارک :

شیوۂ مسلمانی یہ ہے کہ ظلم کرنے والوں کے خلاف کاروائی کی جائے۔بالکل ایسے ہی جیسے وہ اپنے اردگرد کسی کے آزار کا باعث نہیں بنتے۔اس مقصد کی خاطر وہ نہ صرف اپنی زبان سے بالکل اپنے عمل اور اخلاق عالیہ سے بھی اس کا ثبوت دے کر دوسروں کے لیے بہتری کی ایک مثال قائم کرے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ذمہ داری یہ بتائی ہے :

وَ لْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ (سورۂ آل عمران: ۳/۱۰۴)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

اس موضوع کے حوالے سے حیاتِ سید عالم ﷺ میں ڈھونڈے سے بے شمار مثالیں مل جائیں گی۔اس سلسلہ میں کچھ ارشادات ملاحظہ فرمائیں :

اللہ تعالیٰ اس کے لیے تکلیف کے سامان پیدا کردے گا جو کسی مسلمان کے لیے تکلیف کو روا رکھتا ہے۔نیز مشکلات کھڑی کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ مشکل کی گھڑیوں میں ڈال دے گا۔(سنن ترمذی)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر عذاب کے کوڑے برسائے گا جو اس دنیا میں لوگوں پر ظلم وستم توڑتے ہیں۔(سنن ابوداؤد)

تم میں سے جو کوئی کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ کی مدد سے مٹا دے۔ اور اگر وہ ایسا کرنے کی اپنے اندر قوت نہیں پاتا تو اپنی زبان سے اس کے ازالے کی کوشش کرے اور اگر وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا تو (کم از کم) دل سے اسے برا جانے۔ اور یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ (صحیح مسلم: احدیث: ۷۹)

شرک اور ریا کی تباہ کاریاں:

ریا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی کی بجائے اپنے قول وعمل میں لوگوں کی واہ واہی حاصل کی جائے۔ یہ کیے گئے اعمال کے خلوص پر ایک کاری ضرب ہے۔ جب عبادت اور اعمال صالحہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیے جاتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مرتبہ قبولیت پر فائز ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مذہبی سرگرمیوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے علاوہ کسی اور مقصد کے تئیں مصروف کار ہو تو یہ اعمال قبولیت سے محروم رہیں گے، اور یہ شرک کی ایک خفیہ صورت ہے۔

قرآن کریم کے اندر مذکور ہے کہ ریا منافقت کی علامت ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (سورہ نساء: ۱۴۲/۴)

بے شک منافق (بزعم خویش) اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالاں کہ وہ انھیں (اپنے ہی) دھوکے کی سزا دینے والا ہے، اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ (محض) لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کو یاد (بھی) نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میں تمھیں شرک اصغر سے بچنے کی تنبیہ کرتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا کاری۔ جس دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال حسنہ کا بدلہ دے رہا ہوگا، وہ ایسے لوگوں سے فرمائے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کی مدح وستائش کی خاطر تم یہ اعمال سرانجام دیتے تھے اور دیکھو کہ (آج) وہ تمھیں اس کا کیا بدلہ دیتے ہیں؟ (صحیح مسلم۔ مسند احمد)

مجھے اپنی امت کے حوالے سے جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ یہ کہ کہیں وہ شرک باللہ کی نحوستوں میں نہ گھر جائیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ آفتاب وماہتاب اور ستاروں کی پرستش میں لگ جائیں گے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ وہ اپنے کچھ اعمال غیر اللہ کے لیے سرانجام دیں گے جو ان کے دلوں میں ایک چھپی خواہش کی مانند ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ)

جو شخص اپنی عبادت کو ریا کاری کی نحوست سے آلودہ کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کی ریا کا بدلہ چکھائے گا۔ اور جو شخص اپنے اعمال لوگوں میں شہرت پانے کے لیے انجام دے اللہ تعالیٰ اس کی ارادے کو طشت از بام کردے گا۔ (ابن ماجہ)

حیات دنیوی کی بے ثباتی :

شیطان کے بڑے دھوکوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے ذہن وفکر میں یہ بات بٹھانے میں لگا رہتا ہے کہ یہ دنیا دائمی، اس کی زندگی لازوال اور اس کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس فریب کے حوالے سے نہایت حساس ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت قرآن حکیم میں دوٹوک بیان فرماتا ہے :

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ (سورۂ انعام: ۶/۳۲)

اور دنیوی زندگی (کی عیش وعشرت) کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور یقیناً آخرت کا گھر ہی ان لوگوں کے لیے بہتر ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ کیا تم (یہ حقیقت) نہیں سمجھتے۔

اس موضوع کے حوالے سے کچھ ارشاداتِ نبوی بھی ملاحظہ کرتے چلیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اے اللہ کے بندو! جو لوگ اس دنیا سے کوچ کر گئے تم ان سے کچھ مختلف نہیں ہو۔ وہ تم سے زیادہ یہاں رہ کر چلے گئے، وہ تم سے مضبوط، جاگیردار اور پائیدار کارناموں کے مالک تھے لیکن چند نسلوں کے بعد ان کے چرچے مدھم ہو گئے بالآخر ایک کامل سناٹا چھا گیا۔ ان کے بدن سڑ گل گئے، ان کی جاگیریں لوٹ لی گئیں، ان کی زمینیں خالی ہو گئیں اور ان کے کارنامے پردۂ خمول کی نذر ہو گئے۔ ان کے اپنے پرشکوہ محلات، منقش وکامدار اور آرام دہ تکیہ وقالین سب تتر بتر ہو کر نذر زمیں ہو گئے۔ اب ان کی خواب گاہیں تنگ ہیں، لوگوں کی توجہات ان سے ہٹ چکی ہیں، اب وہ تنہائیوں کے ہم نشین ہیں وہاں کوئی رازونیاز کی باتیں کرنے والا نہیں اور وہ ہر کسی کی پہنچ سے باہر ہیں۔

تم گنج شہیداں اور شہر خموشاں کے میدان میں پہنچنے ہی والے ہو جہاں تم اپنے کردنی کی بابت یرغمال کی حیثیت سے ٹھہرو گے۔ (آگاہ رہو قبر کے باسی تمہارے انتظار میں ہیں)۔ قبر تمھیں اپنے اندر ڈھانپ لے گی.............. ناگاہ ایسے لوگوں میں سے کہیں نہ ہو جانا جو بلا توشہ وتیاری خوشگوار آخرت کی آرزو لگائے بیٹھے ہیں۔ جو لمبی لمبی آرزوئیں لیے بیٹھے، توبہ میں تاخیر کر رہے ہیں، بولتے تو ایسے ہیں جیسے انھیں یہ دنیا پسند نہیں لیکن عمل ایسا کرتے ہیں جیسے انھیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور اللہ کے دیے سے غیر مطمئن اور نہ دیے سے شکوہ کناں ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے واشگاف الفاظ میں تشریح فرمائی :

حرام کو حلال کرنے اور اموال کو ضائع کرنے میں دنیاوی اشیا سے دست برداری نہیں ہے، لیکن دنیا کی ذلت یہ ہے کہ آپ کے مملوکہ اموال اللہ کے دست قدرت میں موجود اشیا سے زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اور آپ کو اس دنیا میں پیش آنے والی مصیبت پر نہ آنے والی مصیبتوں کے بالمقابل زیادہ خوش ہونا چاہیے کیوں کہ وہ آخرت کے لیے ذخیرہ کردی جاتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۰۰)

جو شخص دنیا کا دلدادہ ہو اللہ اس کے معاملے مشکل تر کردے گا اور جیتے جی وہ فقیر ہوگا۔ (یعنی لوگوں کے برتاؤ اس کے ساتھ نارواہوں گے)۔ اور جس کی توجہ کا مرکز آخرت رہی تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام معاملے درست فرمادے گا اور دولت

وغنا کا احساس اس کے دل میں بیدار کر دے گا۔(سنن ابن ماجہ: ۴۱۰۵......معجم طبرانی وبیہقی)

جس بندے کی سعی وکوشش کا مقصد وحید تلاشِ آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر ہر سکینت برسائے گا، اس کی مشکلات رفع فرمائے اور دنیا خود بخود عاجزانہ اس کی طرف کھنچی کھنچی آئے گی۔مگر جس بندے کی تحریک وسعائی کا منشا ومقصود حصولِ دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی وچہرے کے درمیان حرص وخواہش کا داغ کر دے گا۔اور نہایت خستگی کے عالم میں ہوگا۔......(سنن ترمذی، مسند احمد، سنن دارمی)

جو شخص دنیا کے معاملات کی فکر لے کر صبح کرے اور کارِعبادت ورے رکھ دے۔اسے کبھی اللہ کی مدد نہیں حاصل ہوسکتی۔(معجم طبرانی)

اگر ابن آدم کو دو پر ثروت وادیوں کا مالک بنادیا جائے تب بھی وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔اور ابن آدم کا پیٹ مٹی کے سوا کبھی کسی چیز سے نہیں بھرتا۔اللہ تو بہ کرنے والوں پر اپنا بارانِ رحمت برساتا ہے۔(صحیح مسلم: ۵حدیث: ۲۲۸۲)

اے بنی انساں! اللہ سے ڈرو اور غنائے دنیا کے حصول میں خود کو زیادہ کوشاں نہ رکھو کیوں تم میں سے کوئی بھی دنیا سے اپنا رزق لیے بغیر نہیں جاسکتا۔تو خوفِ خدا اور خشیت الٰہی اپنے اندر پیدا کرو، اور دنیا کو سلیقہ سے برتو۔...(سنن ابن ماجہ: کتاب التجارۃ)

جب تم میں سے کوئی اپنے سے بہتر کسی مالدار اور وجیہ وشکیل شخص کو دیکھے تو چاہیے کہ پھر وہ اس سلسلے میں اپنے سے کمتر شخص کو بھی دیکھے۔(صحیح بخاری۔صحیح مسلم)

حسد :

حسد کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ کسی دوسرے کی کوئی نعمت نہ بھائے اور وہ نعمت اس سے چھن جائے۔لوگ مبتلائے حسد ہوتے ہیں کہ لوگوں سے ان کی نعمتیں ختم ہوجائیں۔اہل اسلام کے درمیان حسد قصرِ اتحاد کو ڈھا کر رکھ دیتی ہے نیز قرآن میں اس سے منع بھی کیا گیا ہے۔حسد سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ حمد الٰہی کے نغمے الاپے جائیں۔مسلمان صرف ایک دوسرے کی تقویٰ وطہارت میں طمع کرسکتے ہیں۔دیکھیں کہ قرآن میں حسد کی نحوست اور مسلمانوں کے درمیان غیر ضروری نزاع کو کس طرح بیان کیا گیا ہے :

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○

(سورۂ انفال: ۴۶/۸)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ (متفرق اور کمزور ہوکر) بزدل ہوجاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے تمہاری ہوا (یعنی قوت) اُکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

اپنے تئیں بدگمانی سے دور رہو کیوں کہ بدگمانی جھوٹ کی انتہا ہے۔ایک دوسرے کے درمیان عداوت کی نہ چاہو۔ایک دوسرے کی خیر خواہی چاہا کرو۔غیبت سے دور بھاگو۔ایک دوسرے کے راز افشانہ کرو۔بلاوجہ ایک دوسرے

نہ کھینچا تانی کرو اور ایک دوسرے سے منہ موڑو۔ ہاں! اے اللہ کے بندو! حکم الٰہی کے مطابق آپس میں بھائیوں کی طرح رہو سہو۔ (صحیح مسلم)

صرف دو چیزوں کے اندر حسد کی جا سکتی ہے: ایک وہ شخص جسے اللہ نے دولت و ثروت سے نوازا اور اس نے اسے راہِ خدا میں خرچ کیا۔ دوسرا وہ جسے نعمت علم و حکمت ملی اور اس نے اس کے مطابق فیصلے صادر کیے اور لوگوں کو اس سے آراستہ کیا۔ (صحیح بخاری: ج ۲: ۱۳۲، حدیث: ۳۹۰)

معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں حسد کا مقصد یہ نہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے ان کے ساتھ کوئی برا ارادہ کیا جائے بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ خود اپنی زندگی بھی اسی رنگ میں رنگ لی جائے۔

خود کو آتش حسد سے محفوظ رکھو کیوں کہ حسد کی آگ نیکیوں کو ایسے ہی کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ (سنن ابوداؤد)

ایک دوسرے سے نفرت نہ کرتے پھرو۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے قطع تعلق نہ کرو۔ اور اے بندگانِ خدا! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری)

غصّے کو کچل دینا:

توکل و قرب الٰہی اور قضا و قدر پر ایمان رکھتے ہوئے ایک مومن کی اہم خوبی ہوتی ہے کہ وہ حالت غضب میں اپنے غصے کو پی جاتا ہے۔ وہ جسے یہ معلوم ہو کہ خیر و شر ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اس پر بھروسہ رکھے گا اور خود کو غیظ و غضب کی نذر نہ کرے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (سورۂ آل عمران: ۳/۱۳۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ نے بہت سی حدیثیں ہمارے لیے چھوڑی ہیں:

اس گھونٹ سے بہتر کوئی گھونٹ نہیں ہو سکتی جو غصہ کی حالت میں رضائے الٰہی کی خاطر پی لی گئی ہو۔ اکھاڑے میں مد مقابل کو گرا دینے والا پہلوان نہیں، اصل پہلوان وہ ہے جو غصے میں خود پر قابو رکھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جو بھی اپنے غصے کو محض رضائے الٰہی کی خاطر پی جائے لیتا ہے اور وہ اپنے جذبات کو اپنے قابو میں رکھے اور مد مقابل پر اپنے غصے کا اظہار نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بروز محشر قرب خاص سے نوازے گا۔ اور اسے جنت کی حوروں میں سے من چاہی حور اختیار کرنے کو کہا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد)

جنت کا ایک دروازہ ایسا ہے جس سے محض ایسے لوگ گزارے جائیں گے جنھوں نے اپنی نفرت اور شدت طبیعت کو

زیر قابو رکھا ہو۔(ابن أبی الدنیا)

آپے سے باہر ہو جانے والا شخص خود کو جہنم کی طرف دھکیلتا ہوا پائے گا۔(مسند بزار)

خود کو غصہ کی حالت میں پانے والا شخص اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر غصے پر قابو پایا فبہا ورنہ لیٹ جائے۔(سنن ترمذی)

جو بھی اپنے غصے کو قابو میں نہیں رکھ سکتا اور آپے سے باہر ہو جاتا ہے تو اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل نصیحت فرمائی ہے: غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاسکتی ہے تو تم میں سے جسے غصہ آئے چاہیے کہ وہ وضو کر لے۔(سنن ابوداؤد)

شادی خانہ آبادی :

علمائے اسلام شادی کی اہمیت وعظمت پر متفق ہیں۔حضرت عمر-رضی اللہ عنہ- نے فرمایا کہ ایک مرد کو شادی سے محض غربت یا کمزوری ہی روک سکتی ہے۔

اے (یہ) وہ لوگ ہیں جو (حضور باری تعالٰی میں) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے۔(سورۂ فرقان:۷۴)

حضرت عبد اللہ بن عباس-رضی اللہ عنہما- نے فرمایا کہ بندے کی عبادت کی تکمیل شادی سے ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے شادی کی اس نے گویا نصف دین مکمل کر لیا، اب اسے نصف باقی اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔(سنن بیہقی)

درج ذیل حدیث نبوی سے شادی کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے :

نکاح میری سنت ہے تو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔شادیاں کرو کیوں کہ میں اپنی امت کی کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔(سنن ابن ماجہ:۱۸۴۶)

اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جسے شادی کی قدرت ہو اسے چاہیے کہ شادی کر لے کیوں کہ یہ شرم گاہ کی حفاظت اور نظر کو نیچے کر دیتی ہے۔اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو اسے چاہیے کہ روزے رکھے کیوں کہ روزہ شہوت کو دبا دیتا ہے۔(صحیح بخاری:۷/۱۲،حدیث:۴)

رسول اللہ ﷺ نے تشریح فرمائی ہے کہ اہل ایمان کو عورت کے انتخاب کے وقت قاعدے سے دیکھ رکھ کر لینی چاہیے۔عورت کو اس کے حسن وجمال کی بنیاد پر شادی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ ان کا بربادی کی راہ پر لے جائے گا۔عورت کے ساتھ اس کے مال کی وجہ سے شادی نہ کرو کیوں کہ کثرت اموال سے بغاوت اور نافرمانی کی راہیں نکلتی ہیں۔محض تقویٰ ودین کی بنیاد پر ان سے شادی کرو۔(سنن ابن ماجہ:۱۸۵۹)

چار چیزوں کی وجہ سے کسی عورت سے شادی کی جاتی ہے: اس کی دولت، اس کی خاندان، اس کے حسن اور اس کے دین کی وجہ سے تو دین دار کا انتخاب کرو، ورنہ سوائے ذلت کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ (صحیح بخاری: ۷،۲۴ حدیث: ۲۷)

یہ ساری کی ساری دنیا متاع کی مانند ہے اور اس کی سب سے بہتر چیز اچھی بیوی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۵)

مسلمانوں میں اس شخص کا ایمان زیادہ کامل ہوتا ہے جس کا کردار و سلوک بہتر ہو، اور خصوصاً اپنی بیوی کے ساتھ وہ محبت و مروت کا معاملہ کرنے والا۔ (سنن ترمذی)

کوئی بھی صاحب ایمان، اپنی ایمان دار بیوی سے نفرت نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی بیوی میں کچھ خامی ہے تو اس میں کچھ اچھی صفات بھی ہوں گی۔ (صحیح مسلم)

جو اپنی بیوی کی بد مزاجی کو برداشت کرے گا تو اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح ثواب عطا فرمائے گا جنھوں نے بیماری کو برداشت کر کے ثواب حاصل کیا۔ اور جو بیوی اپنے شوہر کی بد مزاجی کو برداشت کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو حضرت آسیہ زوجہ فرعون کی طرح ثواب دے گا۔ (احیاء علوم الدین)

مسلمانوں کے درمیان وہ لوگ اپنے ایمان میں زیادہ کامل ہیں جن کا اخلاق کامل ہے۔ اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے تئیں بہتر ہیں۔ (سنن ترمذی)

عورتوں سے سلوک کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اولاد و والدین کی باھمی ذمہ داریاں :

شادی شدہ اہل ایمان کی ایک ذمہ داری اپنی اولاد کی بہترین تربیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ وہ قیامت کے روز اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمائیں گے۔ مزید برآں آخرت میں بچوں کی دعا اپنے والدین کے حق میں نفع رساں ثابت ہوگی۔ ایک والد اپنے بچے کو اسلامی تربیت سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور وہ اس کی نعمتوں سے مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ ایک وہ جو مستقل شراب خور، دوسرا سود خور، تیسرے مال یتیم ہڑپنے والا اور اپنے والدین کی نافرمان اولاد۔ (سنن ترمذی)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ پوچھا کہ میرے برتاؤ کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ تمہاری ماں۔ تمہاری ماں پھر تمہارا باپ۔ پھر اس کے بعد تمہارے قریبی رشتہ دار، پھر ان کے قریبی رشتہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

چھوٹے بچے جنت کے پرندے ہیں۔ ان میں سے جو اپنے والدین سے ملے گا تو ان کے کپڑوں سے چمٹ جائے گا اور انھیں اس وقت تک نہ چھوڑے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہ کر دے۔ (صحیح مسلم: ۳۲ حدیث: ۶۳۷۰)

جس کے پاس تین بیٹیاں اور وہ ان پر صبر کرتا ہو، ان کے کھانے پینے کا بہترین انتظام کرتا ہو تو وہ بچیاں اس کے لیے بروز قیامت جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ (سنن ابن ماجہ:۳۶۶۹)

جس نے بھی دو بچیوں کی اچھی طرح تربیت کی، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ یوں ہوں گے، اور آپ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے اپنے اور اس شخص کے قرب کو بیان فرمایا۔ (صحیح مسلم:۴۲،حدیث:۶۳۶۴)

جن گناہوں کی معافی روز قیامت مشکل سے ہوگی ان میں سے ایک اپنے مسلمان والدین کی نافرمانی بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ بعض گناہوں کی سزا روز قیامت تک موخر دیتا ہے، لیکن والدین کے نافرمان کو اس دنیا میں بھی سزا مل کر رہے گی۔ (الحکیم)

باپ جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے پس اس دروازہ چاہے حفاظت کرو یا ضائع کردو۔ (سنن ابن ماجہ:۳۶۶۳)

خاندانی تعلقات کی پاسداری :

رسول اللہ ﷺ کی نصیحت ہے کہ جب بھی کسی کار خیر کا یا کسی مالی امداد کا آغاز کرے تو چاہیے کہ پہلے اپنے خاندان سے شروع کرے۔ سنت کے مطابق کسی کو بھی اپنے مسلمانوں کے ساتھ قطع تعلق نہیں کرنا چاہیے تاہم جو دین کے معاملے اہل ایمان کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کو اہل نہیں سمجھا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موضوع کئی احادیث چھوڑی ہیں :

جو بھی اپنے قرابت داروں کے حقوق کی پاسداری نہ کرے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اپنے اہل سے ملتے ہوئے ان سے سلام کرنا، یہ تمہارے لیے اور ان کے لیے وسیلہ رحمت ثابت ہوگا۔ (سنن ترمذی)

لوگوں کے اعمال جمعہ کی شام خدا کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں تو قطع تعلق کرنے والے کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے۔ (مسند احمد)

جو بھی اپنے رزق میں وسعت کا طلب گار ہو، اور اس دنیا میں طویل مدت کے لیے اپنے قدموں کی نشانیاں باقی رکھنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ رحم و مروت کا معاملہ کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ایتام کے حقوق، غربائو معمرین کی دیکھ ریکھ :

یتیموں کے حقوق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیتیں نازل فرمائی ہیں :

بیشک لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔ (سورۂ نساء:۱۰)

رسول اللہ ﷺ نے بار بار تاکید فرمائی ہے کہ یتیموں کے حقوق کی پاسداری کی جائے اور جوان کے حقوق ادا نہیں کرتے

انھیں دونوں جہاں میں سخت سزاؤں کے لیے خود کو تیار رکھنا چاہیے۔

مسلمانوں میں سے جس نے بھی کسی یتیم کی کفالت کی اور اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت نصیب فرمائے گا۔بشرطیکہ وہ کسی ناقابل معافی جرم کا مرتکب نہ ہو۔(سنن ترمذی)

اسلامی گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بہترین سلوک کیا جائے۔ اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم سے برا اور ظالمانہ سلوک کیا جائے۔(سنن ابن ماجہ)

اے اللہ! میں نے دو کمزور شخصوں کے حقوق کے ضیاع سے منع فرمایا۔ایک یتیم اور دوسری عورت۔(سنن ابن ماجہ)

ہمارے معاشرے میں کمزور اور معمر افراد ہماری مدد و دلچسپی کے محتاج ہوتے ہیں۔سنت کا تقاضہ ہے کہ ہر مسلمان اس قسم کے شخص کا خیال رکھے۔

جو بھی بیوہ اور آفت زدہ اور محتاج کی حاجت روائی کرے تو یہ فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے اور صائم النہار و قائم اللیل کے زمرے میں آتا ہے۔(صحیح مسلم)

جو شخص کسی آدمی کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے اس کے اکرام و تکریم کے لیے کسی کو مقرر فرمادے گا۔(سنن ترمذی)

بڑوں عزت کرنا اللہ تعالیٰ کی عزت کرنے کی طرح ہے۔(سنن ابوداؤد)

پڑوسیوں کے حقوق:

قرآن کریم میں پڑوسیوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے :

اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بے شک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو۔(سورۂ نساء:۳۶)

رسول اللہ ﷺ اپنے پڑوسیوں کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، اوران سے بہترین سلوک فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے دوستانہ تعلقات رکھتے اوران سے ان کے معاملات کی بابت پوچھتے رہتے تھے۔اپنے حلقہ میں مادی یا روحانی مدد کے محتاج کسی بھی آدمی کے لیے سب سے پہلے مددگار رسول اللہ ﷺ ہوا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ مجھے حقوق ہمسایگاں کے بارے میں مسلسل وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے محسوس کیا کہ کہیں وہ ہمارے ورثہ میں حصہ دار نہ قرار دیے جائیں۔(صحیح بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بہترین سلوک کریں، ان کی پشت پناہی و نگہبانی کریں، اور جہاں تک ہو سکے ان کی مدد کریں۔کوئی ایسا شخص مشکل ہی سے ملے گا جس نے حقوق ہمسایگاں سے متعلق اتنی وصیتیں کی ہوں۔آپ

کی حدیثوں پر غوروخوض کرنے سے یہ بات با آسانی سمجھی جاسکتی ہے۔پڑوسیوں کے حقوق والدین اور زوجین کے حقوق کے برابر ہیں۔

جو بھی اللہ و روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ رحم و شرافت کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اور اپنے مہمانوں کے ساتھ رحم و سخاوت کا برتاؤ کریں۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، میں ہدیہ دینے میں کس کا خیال رکھوں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔

مریض کی عیادت:

بیماری کی حالت میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔بیماروں کی عیادت کرنا نہایت اہم کام ہے کیوں کہ اس سے جذبہ اتحاد توانا ہوتا ہے اور مریض کی امید قوی ہو جاتی ہے۔

جو بھی مریض کی عیادت کے لیے جائے تو لوٹ کر آنے تک وہ جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔(صحیح مسلم:۳۲ حدیث:۶۲۲۷)

رسول اللہ ﷺ مریضوں کی عیادت کیا کرتے اور اپنے کلام سے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔آپ نے اپنی امت سے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔اسلام کے ابتدائی سالوں میں یہ ایک روایت بن گئی تھی کہ ہر مرنے والے شخص کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دی جاتی تھی تا کہ رسول اللہ ﷺ اس مرد یا عورت کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ میت کے گھر جاتے تھے، اور اس کے لیے دعا کرتے، اور اس کی نماز جنازہ ادا کرتے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ کسی مریض کے پاس جاتے یا کوئی مریض آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ یوں دعا گزار ہوتے: اے اللہ! اس کا مرض دور فرما، اسے صحت عطا کیوں کہ صحت دینے والا تو ہی ہے، تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں ایسی شفا جس کے بعد پھر بیماری لوٹ کر نہیں آتی۔(صحیح بخاری:۷،۷۰ حدیث:۵۷۹)

رسول اللہ ﷺ بیماروں سے فرماتے تھے کہ فکر نہ کریں، اگر اللہ نے چاہا تو یہ مرض آپ کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔(صحیح بخاری:۷،۷۰ حدیث:۵۶۰) لیکن رسول اللہ ﷺ ان سے خوش نہ ہوتے اگر وہ کوئی بری بات کرتے یا اپنے مرض کی بابت شکوہ کناں ہوتے۔

جو بھی اخلاص نیت کے ساتھ اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو اسے جہنم کی آگ سے سات سال کی مسافت کی دوری پر کر دیا جاتا ہے۔

ملاقات یا مہمان نوازی کے سماجی آداب:

جب بھی رسول اللہ ﷺ کسی مجمع میں شریک ہوتے تھے تو بڑے وقار و شوکت کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے۔تمام لوگ بڑی توجہ کے ساتھ آپ کے مثالی کردار کا مشاہدہ کرتے تھے اور بہت غور و تکریم سے آپ کی باتوں کو سنتے۔

رسول اللہ ﷺ کبھی کسی کی بات میں مداخلت نہ فرماتے تھے، بارگاہ نبوی کے آداب کے بےخبر غریب بدو اپنے مشکلات کی

بارے میں بتانے کے لیے آتے تو آپ ان کو بغیر ڈانٹ ڈپٹ ان کی باتیں سن کر، اور ان کو انکساری کے ساتھ نصیحت فرماتے، جب وہ بدو اپنی بات ختم کر دیتے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کی گفتگو میں شریک ہوتے تھے، وہ جس موضوع پر محو کلام ہوتے آپ بھی حصہ لیتے۔ آپ ان کے مذاق میں بھی شریک ہوتے لیکن جو بھی دورِ جاہلیت والے مذاق کرتا تو آپ اسے منع کر دیتے تھے۔ بحث و مباحثہ کا محور عام طور پر دین و اخلاق اور روزمرہ کے مسائل ہوتے تھے۔

سلام کے آداب :

قرآن میں سلام کی اہمیت درج ذیل انداز میں بیان کی گئی ہے :

اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعے تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اس سے بہتر (لفظ کے ساتھ) سلام پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹا دیا کرو، بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔ (سورۂ نساء:۸۶)

یعنی مسلمانوں کو پیش کیے گئے سلام کو بہتر انداز میں جواب دینا چاہیے یا کم از کم وہی جواباً لوٹا دینا چاہیے۔

کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اسلام میں سب سے بہتر اخلاقی صفت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کو کھانا کھلاؤ، آشنا و غیر آشنا کو سلام کرو۔ (صحیح بخاری:۸،۲/۷، حدیث:۲۵۳)

جس نے بھی اپنی شخصیت کو ان صفات سے مزین کر لیا گویا اس نے اپنے ایمان میں چار چاند لگا دیا۔ انصاف کا دامن نہ چھوڑنا اگرچہ خود تمہارے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ ہر ایک سلام کرنا، صدقہ دینا اگرچہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری)

ہر ایک کو سلام کرنا انکساری کی علامت ہے۔ کیوں کہ جو بھی سلام کرتا ہے وہ اس بات کا مظاہرہ کرتا ہے کہ وہ مغرور نہیں ہے۔ اور جس شخص کو سلام کیا جاتا ہے قرآن کے فرمان کے مطابق اس کو اس سے بہتر انداز میں اپنی عاجزی کا نمونہ پیش کرنا چاہیے۔

جب رسول اللہ ﷺ کسی گھر کے دروازے پر پہنچتے تو اپنا رخِ انور ایک طرف کر کے الگ ہو جاتے، اور دو مرتبہ السلام علیکم فرماتے۔ (سنن ابوداؤد) اسی طریقہ سے آپ اندر بیٹھے لوگوں کو اتنا وقت دے دیتے کہ وہ اپنے گھر اور خود کو آپ ﷺ کے پر جوش استقبال کے لیے تیار کر لیتے تھے۔ سلام کرنے کے بعد وہ اندر سے بلاوے کے منتظر ہوتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ سلام کرنے والے کو جواباً فرماتے: وعلیکم السلام۔ اور غائبین کو ان کے رشتہ داروں کے ذریعہ سلام بھیجا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم) ایک دوسری حدیث میں آپ نے سلام کے آخر میں: وبرکاتہ فرمایا۔ مزید برآں آپ تین مرتبہ سلام کو دہراتے تو یہ بات کی یقین دہانی ہوتی کہ ہر ایک اسے سن لے اور آرام سے اس کا جواب دے۔ ملاقات کے وقت آپ لوگوں کو سلام کرتے اور اس انداز میں جواب دیتے کہ لوگ اس کو سن سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ

اے لوگو! رحمٰن ورحیم پروردگار کی عبادت کرو، اپنے غلاموں کو کھانا کھلاؤ، اور سلام کو پھیلاؤ، اور آسانی سے جنت میں جانے کا سامان کرلو۔(سنن ترمذی)

جب بھی کوئی کسی محفل میں جائے تو وہاں موجودین کو سلام پیش کرے، اب اگر چاہے تو بیٹھے یا رخصت ہو جائے مگر رخصتی کے وقت پھر دوبارہ سلام کرے کیوں کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے افضل نہیں ہے۔

سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔(صحیح مسلم: ۲ حدیث: ۵۳۷۴)

درود پاک کی فضیلت :

بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبی (مکرم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجا کرو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔(سورۂ احزاب: ۵۶)

رسول اللہ ﷺ کے نام کا تذکرہ ہونے پر کتنی بار آپ پر درود وسلام بھیجنا چاہیے تو اس کی تعداد کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے لیکن علمائے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ان پر سلام بھیجنا کار خیر اور آخرت میں شفاعت کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا خیر وثواب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والوں کا درجہ آخرت میں بہت ہی بلند کر دے گا، اور نہ کرنے والوں پر اپنی نعمتیں تنگ کر دے گا۔ اس موضوع سے متعلق چند احادیث نبویہ :

قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجتے ہیں۔(سنن ترمذی)

جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرماتا ہے۔(صحیح مسلم)

روز جمع مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کرو، تمہارے درود مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ وہ مجھ درود بھیجے اور فرشتے اسے مجھ تک نہ پہنچائے۔(سنن ابوداؤد)

تم جہاں بھی رہو مجھ پر درود بھیجتے رہا کرو، تمہارے درود مجھ تک پہنچائے جاتے ہیں۔(معجم طبرانی)

رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کے مختلف اوقات درج ذیل ہیں :

۱: اذان سنتے وقت :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو موذن کے ساتھ اس کے کلمے دہراؤ اور اس کے بعد مجھ پر درود بھیجو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر درود وسلام کے بدلے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔(مسند احمد)

۲: دخول وخروج مسجد کے وقت :

رسول اللہ ﷺ مسجد سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت درود پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجا کرو۔(مسند احمد)

۳: جنازے کے دوران:

سنت کے مطابق اللھم صل اور اللھم بارک ہر نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے۔

۴: ہر دعا کے آخر میں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دعا و التجا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہیں جب تک رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود نہ بھیجا جائے یہ بارگاہِ الٰہی کی سمت جانے سے محروم رہتی ہیں۔

۵: جمعہ کے دن :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دن روزِ جمعہ ہے۔ لہٰذا اس دن مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کرو؛ کیوں کہ تمہارے درود مجھے پیش کیے جاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۵)

دسترخوان کے آداب :

بعض احادیث میں دسترخوان کے آداب کا تذکرہ ملتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان صفات میں نہایت حساس تھے۔ اپنی امت کے محدود وسائل نے آپ کو ان معاملات پر زور دینے سے منع نہیں فرمایا، آداب دسترخوان کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں :

۱: ہاتھ دھونا سنت ہے :

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھلنا نہایت صحت بخش ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام مومنوں کو یہ صفت اپنانے کی تلقین فرمائی :

کھانے سے پہلے ہاتھ دھلنا مفلسی کو دور کرتا ہے۔ اور کھانے کے بعد ہاتھ دھلنا گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ (معجم طبرانی)

جو بھی رات کے کھانے کے بعد ہاتھ نہیں دھلتا اور اس کو کوئی ضرر پہنچ جائے تو اسے اس ضرر کا خود کو ملزم گردانا چاہیے۔ (سنن ابو داؤد)

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا باعث رحمت ہے۔ (سنن ابو داؤد)

۲: کھانے کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہیے اور اختتام الحمد للہ سے :

آپ جب کچھ کھانے کا ارادہ کریں تو بسم اللہ پڑھیں اگر بھول جائیں تو بسم اللہ اولہ و آخرہ کہیں۔ (سنن ابو داؤد و ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چھ صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کے کھانے کے دوران ایک بدو نمودار ہوا اور صرف دو نوالے میں پورا پلیٹ صاف کر گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ بسم اللہ کر کے کھانا شروع کرتا تو یہ کھانا سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ (سنن ترمذی)

۳: رسول اللہ ﷺ نے کھانے کا آغاز، کھجور، نمک یا پانی سے کرنے کی ہدایت فرمائی ہے :

رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے سامنے پیش کیے گئے کھانے میں نقص نہیں نکالا۔ اگر کھانا پسند نہ ہوتا تو خاموش رہتے اسے تناول نہ فرماتے۔

:۴ دائیں ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے :

حضرت عمر ابن سلمہ سے روایت ہے کہ میرے بچپن کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مجھے بسم اللہ کہنے، دائیں ہاتھ سے کھانے اور اپنے سامنے سے کھانے کی نصیحت فرمائی۔ (صحیح مسلم)

اس کے اطراف سے کھاؤ اور اس کے درمیان میں ہاتھ نہ ڈالو کیوں کہ برکت درمیان میں اترتی ہے۔ (سنن ترمذی وابوداؤد)

:۵ رسول اللہ ﷺ دوسروں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے اور اس طرح کھانا ایک بابرکت عمل ہے :

اکٹھے کھانے کے لیے بیٹھو اور اللہ تعالیٰ کا نام لو، اس طرح آپ کو کھانے میں زیادہ برکت ملے گی۔ (سنن ابوداؤد)

:۶ زیادہ گرم کھانا نہیں کھانا چاہیے :

گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آگ نہیں کھلاتا۔ اپنے کھانے کو ٹھنڈا کرنے کے بعد کھایا کرو۔ (سنن بیہقی)

:۷ پانی پیتے وقت کی ہدایتیں :

گلاس کو دائیں ہاتھ میں پکڑ کر اس میں سانس لیے بغیر پینے کے دوران تین مرتبہ سانس لیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس دنیا اور آخرت میں سب سے بہترین مشروب پانی ہے۔ جب تم پیاسے ہو تو گھونٹ گھونٹ کر کے پیا کرو ایک ہی سانس میں نہ پی لیا کرو، کیوں کہ اس سے جگر کی بیماری جنم لیتی ہے۔ (مسند دیلمی)

حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پینے کے برتن میں منہ سے ہوا پھونکنے یا سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے پینے کے دوران برتن سے باہر تین دفعہ سانس لیا اور فرمایا کہ اس سے پیاس بجھتی ہے، صحت عطا ہوتی ہے اور یہ زیادہ قوت بخش ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۳ حدیث: ۵۰۳۰)

جب بھی کسی مجمع میں کوئی مشروب تقسیم کی جائے تو دائیں طرف سے شروع کریں اور دائیں ہاتھ میں پکڑے رکھیں۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ساتھ میں بیٹھنے والوں کے ساتھ اپنے مشروب کی شراکت فرماتے تھے جب دودھ یا لسی پیتا۔ اور گلاس ہمیشہ دائیں طرف بڑھا دیا جاتا ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آب وشیرہ کا آمیختہ پیش کیا گیا، آپ کے دائیں طرف ایک صحرا نشین عرب تھا اور بائیں طرف ابوبکر صدیق تھے۔ آپ نے اسے پی کر صحرا نشین عرب کی طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ دائیں طرف بڑھاتے رہو اور پھر بائیں طرف والوں کو۔ (صحیح مسلم: ۲۳، حدیث: ۵۰۲۳)

رسول اللہ ﷺ انبوہ میں کھانا کھانا پسند فرماتے تھے۔ جب کھانا آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو آپ فرماتے:
اے اللہ! اس کھانے کو میرے رزق میں شامل فرمایا جس کا شکریہ پہلے سے ادا کیا گیا ہے، اور جنت کی نعمتوں کو حاصل کرنے کا وسیلہ بن گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ گرم کھانے کو پسند نہ فرماتے تھے اور اس کے ٹھنڈے ہونے تک انتظار فرماتے، اس کے بعد تناول فرماتے۔

رسول اللہ ﷺ نے باہمی دعوت اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کی نصیحت کی ہے:

علمائے اسلام نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ جب تک کوئی شرعی عذر یا حجت نہ ہو تو اپنے مومن بھائی کی دعوت کو ضرور قبول کرو۔

جب بھی تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے ضرور قبول کرو۔ (صحیح بخاری، مسلم، ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو کسی ضیافت میں شریک نہ ہو تو وہ اللہ و رسول کی نافرمانی کرتا ہے۔ (صحیح بخاری)

جب دو افراد بیک وقت دعوت لے کر حاضر ہوں تو اپنے گھر سے قریب تر دروازے والی کی دعوت قبول کر لو۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی پہل کرے تو پہل کرنے والی کی دعوت قبول کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۷، حدیث: ۳۷۲۷)

بلا دعوت کسی کھانے میں شریک ہونے والا فاسق ہے۔ اور اس کی کھانے میں شرکت ناجائز ہے۔ (سنن بیہقی)

یقیناً جنت میں عالیشان کمرے ہیں جس کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے دیکھا جا سکتا ہے، یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو نرم گفتار ہو، دوسروں کو دعوت کرتا ہو اور رات تنہائیوں میں نفلیں پڑھتا ہو جب کہ لوگ سو رہے ہوتے ہوں۔ (سنن ترمذی)

جو بھی اپنے بھائی اس کا پسندیدہ کھانا کھلائے تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ جس نے اپنے کسی مسلم بھائی کو خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا۔ (معجم طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت دینے والے کو ہمیشہ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کے پسندیدہ کھانے:

رسول اللہ ﷺ کھانے کے درمیان کوئی امتیاز نہ فرماتے تھے۔ آپ کسی کھانے میں عیب نہیں نکالتے جس کو آپ اس وقت تناول نہیں فرمانا چاہتے اسے وہیں چھوڑ دیتے تھے۔ سبزی والے کھانوں میں کدو آپ کی مرغوب غذا تھی۔ آپ نے گوشت والے کھانوں کی بھی صفت جتلائی ہے۔

اے عائشہ! جب تم شوربہ بناؤ اس میں زیادہ سے زیادہ کدو ڈال دیا کرو کیوں کہ یہ اہل غم کے دلوں کے لیے سامان تسکین ہے۔ (احیاء علوم الدین)

دین و دنیا میں گوشت سب سے اعلیٰ غذا ہے۔ یہ انسانوں کی قوت سامع کو تقویت بخشتا ہے۔ اگر میں اپنے رب سے یہ دعا کرتا کہ مجھے ہر روز کھانے کو دے تو اللہ تعالیٰ یہ مجھے عطا کرتا۔

حضرت انس سے مروی کہ ایک دفعہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کوشام کے کھانے پر بلایا میں بھی آپ کے ساتھ گیا، درزی نے جو سے بنی ہوئی روٹی اور خشک گوشت اور کدو کے ٹکڑوں سے بنا ہوا شوربہ پیش کیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ رکابی کے اندر سے کدو کی تلاش کر کے تناول فرماتے تھے۔ اسی دن سے میں نے کدو کو شوق سے کھانا شروع کر دیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ایوب انصاری نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کھانا پیش کیا جاتا تو آپ تناول فرماتے اور باقی ماندہ حصہ میرے پاس بھیج دیتے۔ ایک دن آپ نے اپنا جھوٹا مبارک میرے پاس بھیجا تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اس سے کچھ نہیں تناول فرمایا تھا کیوں کہ اس میں لہسن تھا۔ میں نے پوچھا کیا اس کا کھانا منع ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں مگر اس کی بو کی وجہ سے یہ مجھے پسند نہیں۔ میں نے عرض کی: پھر میں بھی اس چیز کو نہیں پسند کرتا جسے آپ نہیں پسند کرتے۔ (صحیح مسلم: ۲۳، حدیث: ۵۰۵۷)

صحت و صفائی کی اہمیت :

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو صحت و صفائی کی خصوصی ہدایت فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صحتمند انسان کمزور انسان سے بہتر ہے۔ قوی مومن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ضعیف مومن سے محبوب تر ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۳، حدیث: ۶۴۴۱)

قرآن میں حضرت یحییٰ -علیہ السلام- کے بارے میں درج ذیل بیان موجود ہے :

اور اپنے لطف خاص سے (انہیں) درد و گداز اور پاکیزگی و طہارت (سے بھی نوازا تھا)، اور وہ بڑے پرہیز گار تھے۔ (سورہ مریم: ۱۳)

رسول اللہ ﷺ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے، وضو کی بابت آپ کی تاکید اور جسمانی صفائی سے متعلق آپ کی ہدایات دکھاتی ہیں کہ آپ نے ذاتی صحت اور صفائی کو کتنی اہمیت دی تھی۔ قرآن میں صفائی کو وہ اہم مقام دیا گیا ہے کہ ہر نماز پڑھنے والا خود کو پہلے پاک و صاف کر لے۔ اہل ایمان کو صفائی کے بارے میں بہت ہی محتاط رہنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ گندے جسم کے ساتھ یا گندے کپڑوں کے ساتھ نماز کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طہارت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح مسلم) اس وجہ سے ایمان و عقیدہ کے دوسرے مسائل کی طرح صفائی بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وضو کے بارے میں درج ذیل ہدایات جاری فرمائی ہیں :

۱: مسواک کا استعمال :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ محبوب اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کو فرض قرار دیتا۔ (صحیح مسلم)

مسواک کے چند فوائد:

اس سے دانت چمکتے ہیں، مسوڑے مضبوط ہوتے ہیں، منہ کی صحت برقرار رہتی ہے، بدبو ختم ہو جاتی ہے، دانت مضبوط ہو جاتے ہیں، دانتوں کی شکستگی رک جاتی ہے، معدے کو تقویت ملتی ہے، اور اس طرح معدے کی تکالیف کا روک تھام ہو جاتی ہے، یہ نظام ہضم میں بھی نفع بخش ہے، اس کے استعمال سے سنت کی اتباع اور اللہ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

۲: ہاتھ دھونا :

جب بھی کوئی نیند سے بیدار ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ وضو کے برتن میں ڈالنے سے پہلے اسے دھل لے۔ (صحیح بخاری، ۱،۲۰ حدیث: ۱۶۳)

تم میں سے جب بھی کوئی نیند سے بیدار ہو تو تین مرتبہ اپنے ہاتھ دھل لینے چاہئیں۔ (صحیح مسلم: ۲، حدیث: ۵۴۲)

۳: ناک صاف کرنا :

جب بھی کوئی وضو کرتا ہے تو اسے نتھنوں میں پانی چڑھا کر اسے صاف کرنا چاہیے۔ (صحیح مسلم، ۲، حدیث: ۴۵۸)

۴: داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا :

وضو کو مکمل طور پر ادا کرو اور داڑھی میں خلال کرو.......... (سنن ابو داؤد: ۱ حدیث: ۱۴۲)

المستورد بن شداد نے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کے دوران اپنے پاؤں کی انگلیوں کو خنصر سے خلال کرتے ہوئے دیکھا۔ (سنن ابو داؤد، ۱، حدیث: ۱۴۸)

۵: کانوں کا مسح کرنا :

ربیع بن معوذ نے فرمایا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دوران وضو کانوں کا مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

۶: پانی کے اسراف سے بچنا :

ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص وضو کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور پوچھا کہ یہ کیا اسراف ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! کیا وضو کے پانی میں بھی ضیاع کا کوئی تصور ہو سکتا ہے۔ فرمایا: ہاں۔ یہ بھی ہے اگر چہ تم بہتی ندی کے کنارے ہی پر وضو کیوں نہ کرو۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

۷: منہ کو خشک کرنا :

حضرت معاذ بن جبل کی سند سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو فرما رہے تھے تو آپ نے اپنے روئے مبارک کو اپنی عبا کی آستین سے خشک کر دیا۔

جب کوئی بیمار ہوتا تھا تو رسول اللہ ﷺ پہلے اسے ڈاکٹر سے تشخیص کرانے کا مشورہ دیتے تھے، آپ فرماتے کہ اگر چہ اس مسئلہ کی بابت ان کو علم ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے ڈاکٹر کے مشورے لے لیے جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک شخص زخمی ہو گیا، خون اس کے زخم پر جم گیا اور اس آدمی نے بنو انمار قبیلہ کے دو افراد کو بلایا

انھوں نے اس کی طرف دیکھا اور دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون بہتر ڈاکٹر ہے؟ انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا دوا میں بھی کوئی خوبی ہے؟ زید نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بیماری کو بھیجا اس نے دوا کو بھی بھیجا ہے۔ (موطا امام مالک: ۵۰ حدیث: ۱۲.۵.۵۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو کافی علاج کرنے کی تلقین کی۔

اللہ تعالیٰ نے بیماری اور شفا دونوں نازل فرمائی ہیں۔ اور اس نے ہر بیماری کے لیے دوا مقرر کی ہے۔ پس اپنے لیے طبی طور پر علاج کیا کرو؛ لیکن کسی ممنوعہ یا حرام شے کو استعمال نہ کرو۔ (سنن ابی داؤد، ۲۸، حدیث: ۳۸۶۵)

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں دی جس کا علاج نہ رکھا ہو۔ سوائے ایک بیماری کے کہ وہ بڑھاپا ہے۔ (سنن ابو داؤد: ۲۸، حدیث: ۳۸۴۶)

کوئی ایسی بیماری اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کی جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کیا ہو۔ (صحیح بخاری، ۷، ۷۱ حدیث: ۵۸۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کو اکثر لوگ کھو بیٹھتے ہیں: صحت اور فراغت۔ (صحیح بخاری، ۸، ۷۶ حدیث: ۴۲۱)

مسلمانوں کو کبھی یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ صحت اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فراغت کا وقت غلط انداز میں صرف کرنا مایوسی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور صحت کے ضائع ہونے کے بعد اچھی صحت کی عظیم نعمت ہونے کا احساس ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک مہینہ تک ایک انسان شہد کھاتا رہے تو وہ کسی سخت بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔

جو بھی اپنے گھر میں امن و سلامتی، صحت و عافیت اور وسعت رزق کے ساتھ اپنے دن کا آغاز کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس کو پوری دنیا کی ملکیت مل گئی ہے۔ (سنن ترمذی)

اللہ تعالیٰ سے ایمان و صحت کی دعا کرتے رہیں کیوں کہ ایمان عطا ہونے کے بعد ایک انسان کو صحت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ملی۔ (سنن ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے چند غذاؤں کے تناول کے فائدے دیکھے، ان میں سب سے پہلا جس کا قرآن میں ذکر ہے، شہد ہے۔ آپ نے وصیت کی کہ درج ذیل اشیا کھانی چاہئیں۔ اگر کوئی صبح سویرے سات اجوا کھجور کھا لے تو اس روز اس پر کوئی جادو و سحر اثر انداز نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری، ۷، ۷۱، حدیث: ۶۶۴)

بیری من کی طرح ہے، جس کا پانی بیماری سے شفا بخشی کا ذریعہ ہے۔ (صحیح بخاری، ۷، ۷۱ حدیث: ۶۰۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ سے کچھ کھانے کے لیے مانگا، انھوں نے

جواب دیا کہ ہمارے پاس سرکہ کے سوا کچھ نہیں ہے تو آپ نے سرکہ منگوایا اس کو کھانا شروع کیا اور پھر فرمایا کہ سرکہ ایک اچھی غذا ہے، سرکہ ایک اچھی غذا ہے۔(صحیح مسلم: ۲۳، حدیث: ۵۰۵۳)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر عرض کرنے لگا کہ میرے بھائی کے پیٹ میں درد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے شہد پلاؤ۔(صحیح بخاری، ۷۱، حدیث: ۵۸۸)

کپڑے :

رسول اللہ ﷺ نے اکثر وبیشتر ہلکے اور پتلے کپڑے زیب تن کیے ہیں۔ آپ کا پسندیدہ لباس کرتا تھا۔ آپ کا عمامہ شریف درمیانی طول کا تھا، بہت لمبا نہیں کہ دردِ سر کا سبب بن جائے۔ آپ کا محبوب رنگ سفید تھا۔

آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اپنے ملابس میں ایک دوسرے پر فخر نہ کریں، اور اپنے ملابس پر غرور کرنے والوں کو ملامت کیا ہے۔

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نگاہِ رحمت نہ فرمائے گا جو غرور کی وجہ سے اپنی قمیص کو گھسیٹ کر چلے۔(صحیح بخاری، ۷۲، حدیث: ۶۷۵)

اہل ایمان کی محبت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ اپنے ظاہر کا بہت خیال فرماتے تھے۔ اور کسی سفیر کی آمد پر عالیشان ملابس زیب تن کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ نے کبھی قیمتی اور پرشکوہ ملابس کو رد نہیں کیا جو دوسرے قبیلے کے لیڈروں اور بادشاہوں نے آپ کو بھیجا بلکہ آپ نے انھیں زیب تن فرمایا۔ آپ ہمیشہ مسلمانوں سے صاف لباس پہننے کی تلقین کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حروریہ نے بغاوت کی تو میں حضرت علی کے پاس آیا، انھوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ، میں نے یمنی کپڑوں کا بہترین سوٹ پہنا اور ان کے پاس گیا، انھوں نے کہا: خوش آمدید ابن عباس۔ یہ کیسے کپڑے ہیں۔ میں نے کہا: آپ اس پر اعتراض کیوں کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو بہترین کپڑے زیب تن کیے دیکھا ہے۔(سنن ابو داؤد: ۳۲، حدیث: ۳۰۲۶)

رسول اللہ ﷺ نیا لباس زیب تن کرتے ہوئے درج ذیل دعا پڑھتے تھے :

حمد وثنا اس ذات کے لیے جس نے مجھے یہ کپڑے پہنائے۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس کی اچھائی مانگتا ہوں اور جس اچھے مقصد کے لیے اس کو بنایا گیا ہے۔ اور میں اس کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں اور اس بدی سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔(سنن ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان مردوں کے لیے سونے اور ریشم کے کپڑوں کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے۔

اس دنیا میں جو بھی ریشم پہنے گا اسے آخرت میں یہ نصیب نہ ہوگا۔(صحیح بخاری، ۷۲، حدیث: ۷۲۰)

سونا اور ریشمی لباس مسلمان عورتوں کے لیے جائز اور مسلمان مردوں کے لیے ناجائز ہے۔(سنن ترمذی)

رسول اللہ ﷺ مسجد اور کسی مجمع میں بہترین اور صاف لباس کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایسے شخص کو پسند کرتا ہے جو اپنے دوست یا کسی محفل میں اچھے لباس کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی پہنی اور اس کے پتھر کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف رکھا۔(صحیح بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو بہترین عطر کے ساتھ معطر کردیا کرتی تھی۔یہاں تک کہ میں آپ ﷺ کے سر اور داڑھی میں عطر کے اثرات پاتی تھی۔(صحیح بخاری،۷،۷۲،حدیث:۸۰۶)

توکل کی اہمیت:

یہ سوچ اہل سنت کے عقیدے سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی کہ اتفاقیہ واقعات اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کی طرح لوگوں کی زندگیوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔اہل ایمان اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ہر چیز کا منبع ومبداوہی ہے اور کوئی چیز اتفاقیہ واقع نہیں ہوتی۔جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی عظمت کا پاس رکھتے ہیں تو ان کے لیے ہر واقعہ میں اچھائی ہے۔

عظیم علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ دل توکل کا مرکز ہے،جب لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز مہیا کرتا ہے اور وہ اس دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں وہ ان کے دلوں میں موجود توکل سے مزاحم نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پیدا کرتا ہے اور اس کو جو چیز چاہے فراہم کرتا ہے اور ان سے جو چیز چاہے چھین لیتا ہے،اس کے علاوہ اور کوئی قوت وطاقت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ بلا حساب وکتاب جنت میں داخل کیے جائیں گے۔یہ وہ لوگ ہوں گے جو کاہن ونجومی پر نہیں بلکہ اپنے خالق پر توکل رکھتے ہیں۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ابن آدم کا دل کی ہر وادی میں ایک ٹکڑا ہے۔جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمام ٹکڑوں کے لیے کافی غذا فراہم کرتا ہے۔(سنن ابن ماجہ)

بڑھاپے کے عالم میں اپنے رزق سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ ماں بلا کپڑے کے بچے کو جنم دیتی ہے۔اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے اسباب فراہم کرتا ہے۔(سنن ابن ماجہ)

غربت کا خوف اور بدقسمتی کے حوالے شیطان لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔غالباً ہر ایک کو مشکل وقت میں غیر متوقع مدد حاصل ہوئی ہے جس کی مدد سے وہ ان پر غالب آجاتا ہے۔ایک نقطہ انھیں بطور فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ حوصلہ کا نمونہ تھے،کیوں کہ آپ نے اللہ پر توکل کیا اور بے انتہا توکل کے مالک تھے۔صحت مندی کے عالم میں آپ ہر جنگ کی صف اول میں نظر آئے۔اور آپ کا توکل تمام مومنین کے لیے نمونہ کامل ہے۔

جب اہل مکہ کے ظلم وبربریت ناقابل برداشت ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ سے کہا:کیا آپ ان عقائد کی ترویج واشاعت سے خود کو روک نہیں سکتے،خود عقیدہ رکھو لیکن دوسرے لوگوں سے سروکار نہ رکھو،اگر آپ یوں ہی تبلیغ

کرتے رہیں گے تو قریش کے ممتاز لوگوں کی آتش غضب بھڑک اٹھے گی اور اپنے ساتھ مجھے بھی خطرے میں ڈالیں گے۔ آپ نے فرمایا: اے چچا! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند کو بھی لا کر رکھ دیں تا کہ میں اسلام کی تبلیغ سے رک جاؤں تو میں کبھی بھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اس طرح توکل کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، ان میں بعض حسب ذیل ہیں :

میں فی سبیل اللہ قتال کی کسی بھی مہم میں پیچھے نہیں رہوں گا..... اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں اس کے راستے میں شہید ہونا پسند کروں گا اور پھر زندہ ہونے اور پھر شہید کر دیے جانے کو پسند کروں گا۔ (صحیح مسلم، ۲۰، حدیث: ۴۶۳۱)

اللہ تعالیٰ کی خاطر کفار سے مسلمانوں کی حفاظت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، ۴، ۵۲ حدیث: ۱۴۲)

مزید برآں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمان حنین کے میدان میں پہلے تتر بتر ہو گئے جب ان کا مقابلہ دشمن کے ماہر تیر اندازوں سے ہوا، ایسے عالم میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں محاذ جنگ میں واپس بلایا اور جو واپس آئے تو انھوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور اس طرح وہ غالب آ گئے۔ اس کے چشم دید گواہ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے واپسی اختیار نہیں کی..... جب لڑائی شدت اختیار کر لی گئی تو اللہ قسم ہم ان کے گرد اپنی حفاظت کا سامان کرتے تھے۔ اور ہم میں سے بہادر ترین وہ تھا جس نے اس لڑائی کا سامنا کیا۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۹، حدیث: ۴۳۸۹)

صبر کی اہمیت :

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی صبر و شکیب کا نمونہ رہی۔ نہ صرف اعلان نبوت کے بعد کی تیئیس سالہ زندگی بلکہ اعلان نبوت سے قبل کی چالیس سالہ زندگی بھی مشکلات و آلام میں گھری رہی۔ بچپن میں داغ یتیمی، اور کمپرسی کے عالم میں پرورش و پرداخت نے آپ کو اپنے قوم کے درمیان ایک معزز و باوقار شخصیت کے طور پر ابھرنے سے نہیں روکا۔

استقامت کی اہمیت قرآن کی بہت سی آیتوں میں بکھری پڑی ہے :

اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدمی میں (دشمن سے بھی) زیادہ محنت کرو اور (جہاد کے لیے) خوب مستعد رہو، اور (ہمیشہ) اللہ کا تقویٰ رکھو تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔ (سورہ آل عمران: ۲۰۰)

بعثت کے بعد رسول اللہ ﷺ مشرکین و منافقین کے حملوں کا نشانہ بنے لیکن آپ نے کبھی بھی جلد بازی سے کام نہ لیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے صبر کرنے کی تلقین کی ہے :

(اے حبیب!) پس آپ صبر کیے جائیں جس طرح (دوسرے) عالی ہمت پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور آپ ان (منکروں) کے لیے (طلب عذاب میں) جلدی نہ فرمائیں..... (سورۂ احقاف: ۳۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صابر بننے والوں کو دولت صبر سے مالامال کرے گا۔ صبر سے بہتر اور برتر کوئی چیز کسی کو عطا نہیں ہوئی۔ (صحیح مسلم)

مومنوں کی شان عجیب ہے۔ کیوں کہ ان کے ہر معاملے میں خیر ہے۔ لیکن کسی اور کا حال ایسا نہیں، اگر اہل ایمان خوش ہوں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں تو اس میں ان کی بہتری ہے اور اگر مشکل میں ہوں تو وہ صبر کرتے ہیں تو اس میں ان کے لیے اچھائی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲؍۴۱۲، حدیث: ۱۳۸۷)

اگر کوئی بندہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر کہتا ہے کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اے اللہ! مجھے میری مصیبت پر ثواب مرتب کر اور اس کا نعم البدل عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا بدلہ نیز نعم البدل بھی عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲؍ حدیث: ۲۰۰۰)

حضرت انس بن مالک سے مروی کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جو اپنے مردہ بیٹے پر رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور اس کی خشیت پیدا کر اور صبر سے کام لے۔ اس نے آپ کو نہ پہچانتے ہوئے یہ جواب دیا کہ جو مصیبت مجھ پر ٹوٹی ہے وہ آپ پر نہیں ٹوٹی۔ آپ کے رخصت ہونے کے بعد کسی نے اس عورت سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ تو اسے سخت صدمہ ہوا، دروازے کی طرف دوڑی ہوئی گئی اور کسی محافظ نہیں پایا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کو پہچان نہ سکی۔ آپ نے فرمایا: صبر پہلے ہی حادثہ پر کرنا چاہیے۔ (صحیح مسلم، ۲؍ حدیث: ۲۰۱۳)

کوئی کمزوری، بیماری، غم، افسوس، زخم یا مصیبت مسلمان پر جب پڑتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی کانٹا اسے چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، ۷، ۷۰ حدیث: ۵۴۵)

حضرت انس بن مالک سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبر پہلے ہی حادثہ پر کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اہل ایمان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان و بھروسہ رکھتے ہیں تو وہ ہر واقعہ کو اس کی ابتدا سے اپنے لیے بھلا تصور کریں گے۔

دین میں انتہا پسندی کی مذمت :

پوری تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر عیاں ہوگا کہ وحی الٰہی سے مستفید ہونے والے لوگوں میں بعض انتہا پسند بھی ابھر آئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو معتدل اور متوسط امت بنا کر پیدا کیا ہے تا کہ وہ دوسروں کے لیے نشان ہدایت بن جائیں۔ مسلمان کو اسی وصف سے متصف ہو کر جملہ دوسری انتہا پسندیوں سے یکسر دست بردار ہو جانا چاہیے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ (سورۂ مائدہ: ۵؍۷۷)

فرما دیجیے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق حد سے تجاوز نہ کیا کرو اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کیا کرو جو (بعثت محمدی سے) پہلے ہی گمراہ ہو چکے تھے اور بہت سے (اور) لوگوں کو (بھی) گمراہ کر گئے اور (بعثت محمدی کے بعد بھی) سیدھی راہ سے بھٹکے رہے۔

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آواخر نیز خلفائے راشدین کے عہد مسعود میں فتنہ خارجیت نے سر ابھارا، گرچہ وہ پکے نمازی تھے، لیکن اس کے افراد انتہاپسندی پر اُتر آئے بالآخرہ جادۂ سنت سے جدا ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں سے دور رہنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے ان کے اسلام مخالف ان اعمال وحرکات کو برداشت نہ کیا، جو وہ اسلام کے نام پر پیش کر رہے تھے ۔دین میں انتہاپسندی کے خلاف آپ کے فرمودات میں تنبیہات موجود ہیں۔ ہر چیز میں جوش وخروش کی کیفیت موجود ہوتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ پھر وہ جوش سرد پڑ جاتا ہے، اگر لوگ اپنے اعمال میں اس جوش کو محسوس کریں تو وہ ایک متوسط اندازے میں عمل کریں ۔اگر وہ اس متوسط اندازے سے عمل کرتے جائیں تو امید ہے کہ وہ کامیاب ہوجائیں گے۔ اگر کوئی انتہا پر پہنچ گیا ہے اور اس اندازے سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا تو ان کو نیک نہ سمجھو۔

> حضرت عائشہ –رضی اللہ عنہا– بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ بنو اسد کی ایک عورت میرے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، حضور اکرم ﷺ خانہ اقدس میں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے کہا: یہ فلاں بنت فلاں ہے۔ اسے کثرت عبادت کی بنیاد پر راتوں میں نیند نہیں آتی ۔آپ نے قدرے ناراضگی کے ساتھ فرمایا: اعمال خیر اُتنے ہی کرو جتنے تمہارے اختیار میں ہیں ۔(صحیح بخاری:۲، ۲۱، حدیث:۲۵۱)
>
> لوگ سوالوں پر سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ پوچھ بیٹھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ پیدا کیا ہے مگر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جو شخص اپنے آپ کو اس صورت حال سے دوچار پائے اسے چاہیے کہ کہے: میں (بلا چوں چرا) اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔(صحیح مسلم:ا حدیث:۲۲۴)

قرآن اور تلاوت قرآن کی عظمت و فضیلت :

قرآن کریم کی تلاوت بڑی سعادت اور ثواب کا کام ہے۔ حضور اکرم ﷺ قرآن کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے یہ فرمایا کرتے تھے: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے، اس کے کبر ونخوت، اس کے بغض وکینہ، اور جملہ ابلیسی وساوس وفتور سے۔(سنن ابو داؤد)

حضور اکرم ﷺ نے تلاوت قرآن اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینے کی ترغیب دی ہے۔ قرآن پر عمل پیرا ہونے کا بنیادی حق یہی ہے۔

> قرآن پڑھتے رہا کرو کیوں کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گا۔(صحیح مسلم)
>
> جو لوگ اس دنیا میں قرآن کے احکام پر عمل پیرا ہوتے تھے تو بروز محشر وہ قرآن کے ساتھ لائے جائیں گے۔ اور سورۂ بقرہ وسورۂ آل عمران اپنے جاننے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی۔(صحیح مسلم)
>
> تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔(صحیح بخاری:۶/۲۱ حدیث:۵۰۲۵)

دو چیزوں میں حسد کرنا درست ہے (کہ ویسا ہی ہو جایا جائے)۔ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب کا علم دیا جسے وہ رات کی تنہائیوں میں پڑھتا ہے، اور ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا جو دن و رات اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کی شکل میں خرچ کرتا رہتا ہے۔(صحیح بخاری:۶۱/۶ حدیث:۵۴۳)

پڑھو، اور درجات جنت پر چڑھتے جاؤ بالکل اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھو جس طرح دنیا میں پڑھا کرتے تھے، تمہاری منزل وہاں ہوگی جہاں تمہاری آخری آیت ختم ہوگی۔(سنن ابوداؤد، وسنن ترمذی)

۔۔۔۔وہ لوگ جو خانہ ہائے خدا میں سے کسی گھر میں قرآن پڑھنے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں اور وہاں آپس میں قرآن پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تو رحمت ونوران کے اوپر ٹوٹ ٹوٹ کر برستے ہیں فرشتے انھیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔۔۔۔(صحیح مسلم:۳۵ حدیث:۶۵۱۸)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک قرآن سے بڑھ کر کوئی شفیع نہ ہوگا نہ کوئی پیغمبر اور نہ کوئی فرشتہ۔(معجم طبرانی)

جو شخص قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔(صحیح بخاری:۹۳/۹ حدیث:۶۱۸)

تلاوتِ قرآنی کے آداب :

۱: باوضو اور قبلہ رو ہو کر اخلاص و ادب کے ساتھ بیٹھے۔

۲: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین دن سے کم میں قرآن کو ختم کر دینے والا قرآن کے احکامات کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔اس لیے جب بھی قرآن پڑھیں پوری توجہ وانہماک کے ساتھ پڑھیں اور اس کے معانی ومفاہیم کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔

۳: ہر آیت کی باضابطہ تلاوت کریں۔حضور نبی کریم ﷺ اگر کوئی آیت عذاب پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ چاہتے اور یوں ہی جب کوئی آیت بشارت تلاوت فرماتے تو اس کو پانے کی التجا فرماتے تھے۔

۴: قرآن کریم کبھی بھی ریاکاری کے لیے نہیں پڑھنا چاہیے اور نہ ایسے وقت میں جس سے کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہو۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آہستہ سے قرآن پڑھنا بالجہر پڑھنے سے بہتر ہے جیسے خفیہ طور پر دیا ہوا صدقہ علانیہ صدقہ سے بہتر ہے۔(صحیح بخاری)

۵: قرآن کریم کو خوش نغمگی کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔نبی کریم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:قرآن کو اپنی (بہترین) آوازوں کے ساتھ زینت دو۔(مشکوۃ المصابیح)۔قاری قرآن کی آواز جتنی موثر ہوتی ہے سننے والے پر اتنا ہی اثر چھوڑتی ہے۔

۶: قرآن کی عظمت پڑھنے والے کے دل میں بیٹھی ہونی چاہیے۔اسے یہ ذہن نشیں کرنا چاہیے کہ اس کا دل سعادتِ حضوری سے مالامال ہے اور اس کے صداقت حقی سے وہ غافل نہیں ہے۔

علم سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت :

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: علما انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ زبان سے تو کہا جائے کہ: "میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کر رہا ہوں" مگر عملاً وہ وادیِ جہالت میں سرگرداں پھر رہا ہو۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: علم حاصل کرو گرچہ اس کے حصول کے لیے تمھیں ملک چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ (معجم طبرانی)۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد (وعورت) پر فرض ہے۔ (سنن ابن ماجہ)۔ لہٰذا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ سب سے پہلے وہ بنیادی اسلامی علوم کی توسیع کرے کہ ضرورت پر وہ کما حقہ دین کی تبلیغ و نمائندگی کر سکے۔

معلم کائنات ﷺ نے فرمایا :

انبیائے کرام درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے، وہ اپنے پیچھے اپنی تعلیمات چھوڑ جاتے ہیں۔ تو جو بھی خود کو اس سے بہرہ مند کرتا ہے گویا وہ اس سے کچھ حصہ پا لیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

ایمان، بے لباس ہے۔ تقویٰ اس کا قبا، حیا اس کا زیور اور علم اس کا پھل ہے۔ (حاکم)

کوئی ایسا وقت نہ آئے کہ جس دن میں اپنے علم کو نہ بڑھاؤں جو مجھے اللہ کے قرب سے ہمکنار کرے۔ ورنہ ایسے دن کی صبح پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ (معجم طبرانی)

جس شخص کے حصول علم کا مقصد رضائے الٰہی اور خوشنودی مولیٰ نہ ہو، بلکہ وہ دنیا کی معمولی دولت تھیانے کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو قیامت کے دن بہشت کی خوشبو سے وہ محروم رہے گا۔ (سنن ابوداؤد)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو لوگ علم کے حصول میں لگے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں ایسی جگہ سے رزق فراہم کرتا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شیطان لوگوں کو فکر مستقل، اور دنیاوی زندگی کی لالچ دے کر دولت علم حاصل کرنے سے محروم رکھنا چاہتا ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ رضائے الٰہی کی خاطر حصول علم میں کوشاں ہوتے ہیں تو پروردگار عالم بذاتِ خود اُن کی حفاظت فرماتا ہے۔

-----------جو حصول علم کے لیے کسی راہ پر جادہ پیما ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۵ حدیث: ۲۵۱۸)

جو شخص اسلام کو قوت پہنچانے والے کی خاطر حصول علم میں لگا رہا کہ اسی دوران اُسے موت نے آلیا تو جنت میں اس کے اور رسولوں کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہوگا۔ (سنن دارمی)

انبیا، علما اور شہدا قیامت کے دن اللہ کے سامنے شفاعت فرمائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۰ حدیث: ۲۷۲۰)

حضور اکرم ﷺ نے اہل علم کی دو قسمیں فرمائی ہے: ایک تو وہ جو اس دنیاوی زندگی کے لیے طلب علم کرتے ہیں اور

دوسرے وہ جو حیاتِ اُخروی کی خاطر علم سیکھتے ہیں۔اولی الذکر کا مقصد اثاثے، اعلیٰ مراتب اور بے پایاں شہرت کا حصول ہوتا ہے، جو اپنے حاصل کردہ علم کے مطابق عمل نہیں کرتے وہ آخر کار منافق ہوتے ہیں، کیوں کہ اپنی زبان سے ادا کردہ کلمات کو خود اپنے ہی دل میں جگہ دینے سے قاصر رہے ہیں اور اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔کسان کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کو مخبر صادق ﷺ نے قیامت کے دن سخت ترین عذاب سے دوچار ہونے کی خبر دی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرصہ محشر میں سب سے زیادہ مبتلائے الم وہ عالم ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی فائدہ نہ دیا ہو۔

نبی کریم ﷺ نے مزید فرمایا :

جس کا علم ترقی پذیر ہوتا رہے مگر اس کا اخلاق و کردار گرتا چلا جائے تو اللہ سے دوری کے سوا اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔(سنن داری)

اہل علم پر بڑی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ایک پرہیز گار مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو اپنے تقویٰ سے فائدہ پہنچائے،اس طرح نورِ علم اُمت میں پھیلایا جاسکتا ہے۔

جسے دولت علم عطا ہوئی مگر وہ اسے چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔(سنن ابن ماجہ)

جب کوئی مرتا ہے تو اس کے عمل اس سے منقطع ہو جاتے ہیں؛ ہاں! تین لوگوں (کے عمل مرنے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتے،ان تین میں سے)ایک ایسا علم بھی ہے جس سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔۔۔۔(صحیح مسلم:۱۳احدیث:۲۰۰۵)

دعا کی برکات :

تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی ذات حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی تھی۔دن میں جب آپ مشغول ہوتے اس وقت بھی کبھی کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرتا تھا کہ آپ ذکر الٰہی اور دعا میں محو نہ رہتے ہوں۔آپ کا اُسوۂ حسنہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی توجہ ہمیشہ دین اسلام اور تمام مسلمانوں کی مطلوبہ حیاتِ اُخروی پر مرکوز رہتی۔قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ○ (سورۂ فرقان:۲۵/۷۷)

فرمادیجیے:میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں اگر تم (اس کی) عبادت نہ کرو،پس واقعی تم نے (اسے) جھٹلا دیا ہے تو اب یہ (جھٹلانا تمہارے لیے) دائمی عذاب بنارہے گا۔

آپ نے عبادت اور ذکر الٰہی کا سلسلہ کبھی نہیں ترک فرمایا خواہ حالات جو کچھ اور جیسے بھی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے اقوال پر غور و خوض کرکے ہم دعا کی اس اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں جو آپ نے اس کو دیا :

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دعا سے بزرگ تر کوئی عبادت نہیں۔(سنن ترمذی)

بندۂ خدا اپنی دعا کے نتیجے میں ان تینوں امور میں سے ایک کو پالیتا ہے۔یا تو اس کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں،

یا دنیا میں اس کا بدلہ پا لیتا ہے یا آخرت کے لیے اس کا ثواب محفوظ کر دیا جاتا ہے۔(سنن دیلمی)

اللہ تعالیٰ سے اس کی نعمتوں کی عطا کی دعا کرنی چاہیے کیوں کہ وہ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے۔(سنن ترمذی)

انسان سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا ہے، لہٰذا سجدہ میں زیادہ سے زیادہ دعا کرو۔(صحیح مسلم)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ رحیم وفیاض ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر انتہائی مہربان ہے، اور جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے گا اللہ تعالیٰ اس کو خالی ہاتھ نہیں رہنے دے گا۔(سنن ترمذی، وسنن ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی آس لگا کر دعائیں کیا کرو۔اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔(سنن ترمذی)

ہر ایک کی دعا کا جواب دیا جاتا ہے اگر وہ بے صبر نہ ہو جائے۔اور یہ نہ کہے کہ میں نے اپنے رب سے مانگا مگر اس نے نہ دیا۔(صحیح مسلم:۳۵حدیث:۲۵۹۴)

ہر روز اکثر وبیشتر رسول اکرم ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: بے شک میں نے اپنا رخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔فرما دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں (جمیع مخلوقات میں) سب سے پہلا مسلمان ہوں۔اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو اکمل الکاملین ہے اور حمد وثنا تیرے لیے ہے۔تو میرا پروردگار اور میں تیرا بندہ ہوں۔میرے گناہوں کو معاف فرما؛ کیوں کہ تیرے بغیر کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔مجھے اسوۂ حسنہ سے مزین فرما جس کی طرف تیرے سوا کوئی ہادی نہیں اور مجھے بدترین کردار سے بچائے رکھ۔کیوں کہ تیرے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔تو ہی قدوس واعلیٰ ہے۔میں تیری مغفرت کا طلب گار ہوں اور تیری بارگاہ میں تائب ہوں۔اے اللہ! زمین وآسمان کے خالق، خفی وجلی کا رازداں، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اختلافی امور میں فیصلہ فرمائے گا۔اپنی رحمت سے مجھے لوگوں کے مختلف فیہ مسائل میں حق کی طرف موڑ دے۔یقیناً تو جسے چاہے راہ راست کی طرف ہدایت فرمائے۔

بیدار ہونے کی دعا :

حمد وثنا اس ذات بے نیاز کے لیے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، حمد وثنا کا سزاوار وہی ہے، وہ بلند وبرتر ہے جملہ تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ سب سے اعلیٰ ہے۔(صحیح بخاری و سنن ترمذی)

گھر سے روانہ ہونے کی دعا :

اللہ کے نام پر میں نے توکل کیا۔اے اللہ! میں تیری اس سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں گمراہی اختیار کروں یا کوئی مجھے

گمراہ کرے۔ خود لغزش کروں یا مجھ سے کرائی جائے، ظالم ہوں یا مظلوم بن جاؤں۔ کوئی سفیہانہ عمل کروں یا کوئی مجھے بیوقوف بنائے۔ (سنن ترمذی)

مسجد میں داخل ہونے کی دعا :

حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے جو میری حفاظت فرماتا اور امان دیتا ہے۔ اس ذات باری کی ثنا جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ حمد و ثنا اس باری تعالیٰ کے لائق ہے جو مجھ پر کریم ہے، اور احسان پر احسان فرماتا ہے۔ اے میرے رب! میں تجھ سے جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے بچنے کی درخواست کرتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور دعا :

اے اللہ! میں ہر قسم کی ظاہری و باطنی، اور روحانی و مادی غلاظتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں مردود شیطان سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (معجم طبرانی)

اذان کے وقت کی دعا :

اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز اور کلمہ تقویٰ کے مالک، ایمان پر میرا خاتمہ فرما اور اس پر کاربند رکھ کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما اور روزِ قیامت مجھے اہل ایمان کے زمرے میں اٹھا۔ (سنن بیہقی)

کھانے کے بعد کی دعا :

حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا، جس نے نہ صرف ہماری ضرورت پوری کی بلکہ ہمیں خوش و راضی کیا۔ (جس نے ہمیں ضرورت کے تحت نہیں بنایا بلکہ ہمیں خوش بھی کیا یا منتخب کر دیا) اپنے اوپر تیری طرف سے کی ہوئی نعمتوں کے ہم شکر گزار ہیں۔

آداب دعا :

(۱) قیمتی اوقات کی تلاش: درج ذیل اوقات ایسے ہیں جن میں رسول پاک ﷺ زیادہ سے زیادہ محو دعا رہتے تھے : شام کے وقت، رمضان میں، جمعرات کی رات اور سحر کے وقت۔

(۲) اللہ کی نظر میں اہم اوقات میں دعا :

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: اجابت دعا کے خصوصی مواقع یہ ہیں: قتال فی سبیل اللہ، بارانِ رحمت، اوقاتِ صلوٰۃ اور بوقت رویت کعبہ۔ (معجم طبرانی)

ایک دوسری حدیث میں ہے :

روزہ دار کی افطار کے وقت دعا کبھی مسترد نہیں ہوتی۔ (سنن ابن ماجہ)

ایسے اوقات میں دعا کرنے سے ایک طرف قبولیت کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور دوسری طرف سنت پر عمل بھی

نصیب ہوتا ہے۔

(۳) دعا کے دوران رو بہ قبلہ ہونا، ہاتھ اُٹھانا، اور ہتھیلیوں کا رُخ منہ کی طرف رکھنا۔

رسول اللہ ﷺ دعا کے دوران اپنی بغلوں کے ظاہر ہونے کے انداز ے پر ہاتھ اُٹھاتے، اور دعا کرتے وقت انگلیوں کے اشارے نہیں کرتے تھے۔

(۴) مدھم آواز میں چھپکے سے دعا کرنا :

حضرت ابوموسیٰ -رضی اللہ عنہ- سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر پر تھے کہ چند لوگوں نے بآواز بلند تکبیر کہنا شروع کردیا۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! خود پر رحم کرو؛ کیوں کہ تم ایک ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو تمہاری اور آپ کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ تم جسے ندا کر رہے ہو وہ تمہاری سواری کے بالوں سے زیادہ تم سے نزدیک ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۵ حدیث: ۲۵۳۱)

دعا میں مجروح کرنے والے الفاظ کا استعمال نہ ہو :

اللہ تعالیٰ سے انکساری اور عزت و وقار کا پاس رکھتے ہوئے دعا کرنا چاہیے، اور دکھاوے کی دعا کرنے بچنا چاہیے۔
رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: تم میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن کی دعا تمہیں ذلیل و خوار کردے گی۔
(صحیح بخاری: ۶/ ۶۱ حدیث: ۵۰۷۸)

دعا کرنے والا خود کو محتاج سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا تقاضا کرے، اور فضول خواہشات سے پرہیز کرے۔

(۶) خوفِ الٰہی اور رجا کے ساتھ بار بار سلسلہ دعا جاری رکھے :

اللہ تعالیٰ سے یقین کے ساتھ دعا کرنا چاہیے؛ کیوں کہ خداوند قدوس ایسی دعائیں قبول نہیں کرتا جو بے توجہی اور دلِ غافل سے نکلی ہوں۔ (سنن ترمذی)

تم میں سے ہر کسی کی دعا قبول ہوتی ہے؛ جب تک وہ بے صبری کا اظہار نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی مگر مجھے عطا نہ ہوئی۔ (صحیح مسلم: ۳۵ حدیث: ۲۵۹۲)

توبہ :

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورہ مائدہ: ۳۹/۵)
پھر جو شخص اپنے (اس) ظلم کے بعد توبہ اور اصلاح کر لے تو بے شک اللہ اس پر رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا ہے، یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

ماضی کے گناہوں اور داغ دھبوں سے پاک ہونے کے لیے توبہ ایک زبردست موقع ہے۔ اہل ایمان کو ہر روز اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- نے فرمایا :

میں ان لوگوں کے خاتمے پر حیران ہوتا ہوں کہ توبہ واستغفار کی طرح نجات کا وسیلہ موجود رہتے ہوئے بھی اس سے مستفید نہیں ہوتے۔

جولوگ شیطان کی سکاریوں سے مغلوب ہوجاتے ہیں اوراپنے گناہوں پر توبہ وندامت کے اشک نہیں بہاتے ان لوگوں کے پاس توبہ اور نماز کے علاوہ اور کوئی وسیلہ نجات نہیں ہے۔ محض اسی وسیلے یعنی توبہ نصوح کے وسیلے سے دنیا وآخرت کی خوشیوں سے لذت اٹھائی جاسکتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو ہر کلفت سے نجات دلاتا ہے، اور اس کو اس مقام سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اس کو توقع بھی نہیں ہوتی ۔(سنن ابوداؤد)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ ورجوع کرو، اور اس کی مغفرت کے طلب گار بن جاؤ؛ کیوں کہ میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا رہتا ہوں۔(صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ بارہا فرمایا :

اے اللہ! پاکی ہے تیرے لیے، تو ہر عیب سے منزہ ہے، حمد وثنا کا تو ہی حقیقی سزاوار ہے۔ مجھے معاف فرما، اور توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کی بھرن برسانے والا محض تو ہی ہے۔(الحاکم)

اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے، میں نے اپنے آپ پر ظلم وگناہ کیا؛ تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ معافی کے ہر طلب گار شخص کو معاف فرمادیتا ہے، اگر چہ اس کے گناہ حملہ آور چیونٹیوں کی تعداد کے برابر ہی کیوں نہ ہوں ۔(سنن بیہقی)

اے اللہ! مجھے ان افراد کی صف میں شامل فرما کہ جب وہ نیکی کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب وہ گناہ کرتے ہیں تو معافی چاہتے ہیں۔(سنن ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ کی تجویز کردہ توبہ :

اے اللہ! تو ہی میرا مالک ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں تاحد امکان تیرے عہد ووعدہ کو ایفا کرتا رہوں گا۔ میں اپنے کیے ہوئے گناہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ مجھ پر ہوئے انعامات پر میں تیرا شکر بجالاتا ہوں۔ مجھے اپنے گناہوں اور تیری نافرمانیوں کا اعتراف ہے۔ اے میرے رب! مجھے معاف فرما، میرے گناہوں کو بخش دے کیوں کہ تیرے بغیر کوئی اور گناہوں کو معاف نہ کرسکے گا۔

زبان سے سرزد ہونے والا خوفناک خطرہ، فضول باتیں :

وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ (سورہ مومنون: ۲۳/۳)

اور جو بیہودہ باتوں سے (ہر وقت) کنارہ کش رہتے ہیں۔

حضور معلم کائنات ﷺ نے اپنی امت کی خاطر بہترین اور ممتاز قسم کے الفاظ کا انتخاب فرمایا ہے؛ جس شخص کا طرز کلام

مزاجِ نبوت کے خلاف ہوتا اسے فوراً تنبیہ کردی جاتی تھی اور آپ نے کبھی بھی ایک دوسرے کو مجروح کرنے والے الفاظ کے استعمال کا موقع نہ دیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خاموش رہنا فضول باتیں کرنے سے بہتر ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: خاموش رہنے والے نے نجات پائی۔ اس موضوع پر بہت سی احادیث موجود ہیں :

جو بھی اپنے پیٹ، شہوت اور زبان کے گناہوں سے بچایا گیا تو اسے تمام گناہوں سے بچایا گیا۔ (مسند دیلمی)

اس شخص کے لیے بشارت ہے جس نے کثرتِ گفتگو سے خود کو باز رکھا اور ضرورت سے زیادہ مال کو خرچ کیا۔ (مسند بزار)

اچھی بات نہ کہنے سے زبان کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ محض یہی ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس پر چل کر شیطان کے داؤ سے بچا جاسکتا ہے۔ (معجم طبرانی)

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی زبان سے قریب ہے، وہ ہر بولے ہوئے لفظ کو جانتا ہے؛ لہٰذا خوفِ الٰہی کو دل میں جاگزیں کر کے الفاظ کا انتخاب کرنا چاہیے۔ (خطیب بغدادی)

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون سا عمل انسان کی نجات کو یقینی بناتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: زبان کو قابو میں رکھنا اور اپنے گھر سے چمٹے رہنا۔ (سنن ترمذی)

ایک مسلمان کی نشانی یہ ہے کہ وہ الفاظ کے انتخاب میں سوچ سمجھ سے کام لے؛ کیوں کہ بغیر سوچے سمجھے الفاظ بسا اوقات ناخوشگواری کا سبب بن جاتے ہیں۔ جس سے آپ کے نزدیک کسی محترم شخص کی عزت مجروح ہوسکتی ہے۔ اور اگر آپ کی باتیں کسی اسلامی موضوع کے گرد گردش کررہی ہیں پھر تو آپ احتیاط بالائے احتیاط فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک مومن کی زبان اس کے دل کے تابع نہیں ہوتی۔ بات کرنے سے پہلے وہ غور و خوض کرتا ہے پھر بولتا ہے، اس کے برعکس منافق کا دل اس کی زبان کے تابع نہیں ہوتا تو وہ بے سوچے سمجھے بات کرتا رہتا ہے۔ (الخرائطی)

بات کرتے ہوئے بات کو طول نہیں دینا چاہیے۔ اختصار اور خلاصے کی شکل میں کسی بھی موضوع پر گفتگو کرنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے ایک طرف سامعین کا وقت ضائع نہیں ہوتا تو دوسری طرف سنت پر بھی عمل کرنا نصیب ہوتا ہے۔

خبردار! بغیر ضرورت باتوں کو طول دینے والوں کے لیے تباہی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ انسان الفاظ کو اس طرح بولتے جائیں گے جیسے کہ گائے گھانس چباتی رہتی ہے۔ (مسند احمد)

بدگوئی، بازاری زبان اور فحش کلامی سے خود کو باز رکھنا چاہیے۔ اس طریقہ گفتگو سے دل کی سختی اور عمل کی بجائے گفتار کے پھیلاؤ کا خطرہ ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! بدگوئی اور فحش کلامی سے باز رہو؛ کیوں کہ بدکلامی اور فحش گوئی اللہ کو ناپسند ہے۔ (الحاکم)

ایک مومن کبھی بھی کسی کے آرام کو تکالیف میں نہیں بدلتا، لعن طعن نہیں کرتا، بدکلامی نہیں کرتا یا ذلیل نہیں کرتا۔ (سنن ترمذی)

اہل ایمان کو ایک دوسرے پر الزامات لگانے سے باز رہنا چاہیے۔ الزام بے جا کے بدلے اپنے بھائی کی حق تلفی کی سزا بھگتنا پڑے گا۔

اگر کوئی شخص دوسرے پر فسوق کا الزام لگائے (یعنی اس کو فاسق پکار کر بلائے یا کفر کا الزام لگائے تو ایسا الزام اپنے لگانے والے کی طرف لوٹے گا، اگر ملزم اس سے بری ہو۔ (صحیح بخاری: ۸، کتاب ۷۳ حدیث: ۷۱)

اے لوگو! میرے امتیوں، میرے بھائیوں اور میرے اقربا کے بارے میں سوچنے سے پہلے میرے بارے میں سوچو اور ان کے خلاف زبان نہ کھولو۔ اے لوگو! مردوں کو ان کے برے اعمال کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے اچھے اعمال کے ساتھ یاد کیا کرو۔ (مسند احمد)

(توبہ کرنے والے) گناہ پر ملامت کرنے والے اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک وہ خود بھی یہ نہ کریں۔ (سنن ترمذی)

ایمان سے بغاوت کی سنگین تر صورت یہ ہے کہ اپنے بھائی سے جھوٹ بولا جائے جب کہ وہ آپ کے قول کی سچائی پر یقین کر رہا ہو۔ (صحیح بخاری)

لعنت اس بندے پر جو جھوٹی کہانیاں سنا کر لوگوں کو ہنساتا ہے۔ (سنن ابوداؤد، وسنن ترمذی)

دین اسلام میں جھوٹ بولنا مطلقاً حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے جھوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے نیز آپ نے ہر قسم کے جھوٹ کی مذمت فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی دعائیں حسب ذیل ہیں :

اے اللہ! میرے دل کو اختلاف، نزاع، اعضائے مخصوصہ کو زنا اور میری زبان کو جھوٹ سے پاک کر دے۔ (خطیب بغدادی)

جھوٹ کی بدبو سے ملائکہ میلوں دور بھاگ جاتے ہیں۔ (سنن ترمذی)

قرآن میں غیبت کو اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ غیبت سے اہل ایمان کا آپس میں بھائی چارہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بھائی کی حق تلفی کا مجرم بن جاتا ہے۔ یوں ہی غیبت کی طرح ایک دوسرے کے معاملات میں تفحص و عیب تلاش کرنا بھی جرم عظیم کے زمرے میں آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دوران معراج دیکھے ہوئے ایک واقعہ کا ذکر یوں فرمایا ہے :

جب مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میں ایسے لوگوں سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ جواب ملا: یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت اور لوگوں کی عزتوں سے کھلواڑ کیا کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۱ حدیث: ۴۸۶۰)

اے لوگو! جو زبان سے ایمان لائے مگر ابھی تک ایمان ان کے دلوں تک نہ پہنچا، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور نہ ان کے رازوں کو آشکارا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے رازوں کو بے نقاب کر دے گا جو اپنے بھائی کے رازوں کو بے نقاب کرنے کے در پے ہے، نیز اس کو ذلیل فرما دے گا اگر چہ وہ گھر میں ہی کیوں نہ چھپا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۴۱ حدیث: ۴۸۶۴)

رسول خدا – علیہ التحیۃ والثنا – نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ! تمھیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانے۔ اس پر آپ نے فرمایا: غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کو ایسے الفاظ کے ساتھ یاد کرو جو اسے نہ بھائیں۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم اپنے بھائی کے بارے میں وہی کچھ کہیں جو اس میں ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم جو کچھ اس کے بارے میں کہتے ہو اگر وہ اس میں موجود ہے تو یہ اس کی غیبت ہے لیکن اگر اس میں نہیں ہے تو یہ تہمت و بہتان ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۲ حدیث: ۶۲۶۵)

جو بھی اپنے بھائی کی عزت پر حملے کو روکے گا، اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کو جہنم کی دہکتی آگ سے بچائے گا۔ (سنن ترمذی)

خطبہ حجۃ الوداع

The Prophet's (saas) Farewell Sermon *(Khutbat al-Wada`)*

مکہ میں اپنے اول اور آخری حج کے دوران ایک لاکھ سے زیادہ حجاج کرام سے حضور خطیب اعظم ﷺ نے خطبۃ الوداع پیش کیا۔ ایسے جم غفیر کا یہ خطبہ سننا اس حقیقت کو تقویت بخشتا ہے کہ احادیث متواترہ (سلسلہ رجال کو ظاہر کرتے ہوئے) صحیح ہیں۔ منطقی طور پر بھی ایسی احادیث غلط نہیں ہوسکتیں، اس خطبہ کے دوران نشان دہی کی گئی کسی بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس کے اجزائے ترکیبی اسلام کا مختصر خلاصہ پیش کرتے ہیں کیوں کہ اس کے اندر دارین کے لیے ضروری اعمال بیان کیے گئے ہیں۔

رسول مکرم ﷺ نے پیش گوئی کی کہ آپ کو دوسرے حج کا موقع شاید نہ مل سکے، جس میں آپ کی وفات کی طرف اشارہ تھا، بعد میں جب آپ کا قول عملی طور پر صادق وثابت ہوا تو یہ حج حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہوا اور اس خطبے کو خطبہ حجۃ الوداع کا نام دیا گیا۔

یہ خطبہ بظاہر تو ایک خطبہ نظر آتا ہے مگر حقیقت میں یہ کئی خطبوں کا مجموعہ مرکب ہے: عرفات کے میدان میں، منا کے مقام پر، عید الفطر سے ایک دن پہلے منا کی وادی میں اور عید کے پہلے اور دوسرے روز، اس وجہ سے سامعین نے مختلف طریقوں سے اس کو روایت کیا ہے۔ بعض لوگوں یا گروہ نے اس کے ایک حصے کو سنا جب کہ دوسرے کو نہیں سنا۔ اس وجہ سے مختلف احادیث کو اکٹھا کر کے اسے ایک خطبے کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ سورۂ توبہ جو اس واقعہ سے ایک سال پہلے نازل ہوئی میں بیان کیا گیا ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْنَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَيَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَ إِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥ (سورۂ توبہ: ۲۸/۹)

اے ایمان والو! مشرکین تو سراپا نجاست ہیں سو وہ اپنے اس سال کے بعد (یعنی فتح مکہ کے بعد ۹ ھ سے) مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں، اور اگر تمھیں (تجارت میں کمی کے باعث) مفلسی کا ڈر ہے تو (گھبراؤ نہیں) عنقریب اللہ اگر چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے مال دار کردے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

چوں کہ بت پرست ناپاک ونجس قرار دیے گئے اور مسجد حرام میں داخلے سے منع کردیے گئے؛ اس لیے محض مسلمان وہاں پر موجود تھے اور سماعت خطبہ سے حظ اندوز ہوئے۔ اس سے یہ بات بھی یقینی بن جاتی ہے کہ متعلق احادیث میں بت پرستوں کو کی زیادتی کا موقع نہیں ملا۔ درحقیقت مکہ کی فتح کے بعد اتنے زیادہ مشرکین مشرف با سلام ہوئے کہ محض چند ہی بے ایمان رہ گئے اور انھوں نے شہر کو ترک کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور ایک لاکھ صحابہ کرام مدینہ سے حج کے لیے چل پڑے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کو ضروری اصول وعبادت کی تعلیم بذات خود اس کو عملی جامہ پہناتے ہوئے دی۔ اور حج سے متعلق تمام ارکان کو سرانجام دیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اسلام کی تکمیل کی خوشخبری والی آیت بھی نازل فرمائی۔

ایام جاہلیت میں دور دراز سے آئے ہوئے حجاج عرفات کے پہاڑ پر کھڑے ہوجاتے تھے جب کہ ارباب قریش مزدلفہ کے میدان میں ٹھہر کر اپنی افضلیت دوسروں پر جتاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رسم کو ملیامیٹ کیا اور عرفات کی پہاڑی پر وقوف کے لیے دوسرے حجاج کی طرح کھڑے رہے۔ اسلام کی تکمیل کرنے والی آیت نازل ہوئی :

.... اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَ اخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ..... (سورۂ مائدہ:۳/۵)

آج کافر لوگ تمہارے دین (کے غالب آجانے کے باعث اپنے ناپاک ارادوں) سے مایوس ہوگئے، سو (اے مسلمانو!) تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کرلیا....

جب تمام مسلمان اسلام کی تکمیل پر خوشی منا رہے تھے۔ محض ایک ابو بکر صدیق۔ رضی اللہ عنہ۔ نے اس حقیقت کا ادراک کیا کہ یہ رسول پاک ﷺ کی رحلت کی نشانی ہے، اور آپ نے رونا شروع کردیا، اس واقعہ کے کوئی ۸۲ دن تک رسول اللہ ﷺ بقید حیات رہے۔

خطبہ رسول : سرکارِ دو عالم ﷺ نے قسویٰ کی پشت پر تشریف فرما ہوکر جبل عرفات پہ یہ تاریخی خطبہ دیا۔ اللہ عزوجل کی حمد و شکر ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا :

اے لوگو! میری باتیں ہوش کے کانوں سے سنو۔ اس دن اور اس شہر کی حرمت کی طرح ہر مسلمان کی زندگی اور مال کو ایک مقدس امانت سمجھو۔ امانتیں اپنے حقداروں کو واپس کرو۔ دوسروں سے انصاف کا معاملہ کرنا کہ آپ کے ساتھ کوئی ظلم کا معاملہ نہ کرے۔ یاد رکھیں کہ آپ کی ملاقات اپنے رب سے ہونے والی ہے، جو آپ کے اعمال کا حساب لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سود لینا آپ پر حرام کردیا ہے، اس لیے تمام سودی معاملات سے دست بردار ہوجاؤ۔ آپ کو اپنے سرمایہ اور راُس المال کو رکھنے کی اجازت ہے۔ آپ ظلم نہ کریں تو آپ پر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کسی بھی قسم کی سودی لین دین نہیں ہونی چاہیے۔ عباس بن عبد المطلب کے سودی معاملات سے دست برداری کا اعلان کیا جاتا ہے۔ جاہلیت کے ایام میں کیے گئے قتل وقتال کے کسی بھی حق سے دست برداری کا اعلان کیا جاتا ہے۔ میں رابعہ ابن ابو الحارث ابن عبد المطلب کے قتل کو معاف کرتا ہوں۔

اے لوگو! مشرکین مہینوں کے حساب کو گھٹانے بڑھانے میں مشغول ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کا شمار بارہ ہے۔ جن میں سے چار مقدس و محترم ہیں۔ ان میں سے تین مسلسل اور ایک جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ شیطان سے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر متنبہ رہو۔ آپ کو اہم امور میں گمراہ کرنے کی اس کی تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں ہیں، پس معمولی باتوں میں اس کی اتباع سے خبردار رہیں۔

اے لوگو! یہ سچ ہے کہ آپ کو اپنی عورتوں پر حقوق حاصل ہیں لیکن ان کا بھی آپ پر حق بنتا ہے۔یاد رکھیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کی اجازت سے ان کو بیویاں بنایا ہے۔اگر وہ آپ کے حقوق بجالائیں تو آپ پر ان کو رحم کے ساتھ کھانا کھلانا اور کپڑے پہنانا ہے۔اپنے عورتوں سے اچھائی اور مہربانی کا سلوک کریں کیوں کہ وہ آپ کی شریک حیات اور مددگار ومعاون ہیں یہ آپ کا حق ہے کہ وہ آپ کی رضا کے بغیر کسی سے دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور نہ کبھی اپنی عفت پر داغ لگائیں۔

اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، پانچ اوقات کی نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور اپنے مال کی زکوٰۃ دیا کرو، حج ادا کرو اگر آپ میں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت موجود ہے۔

تمام انسان آدم اور حوا سے ہیں۔کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، سفید کو کالے پر اور کالے کو سفید پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ اور نیک عمل سے۔جان لیں کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں کسی مسلمان کا کوئی بھی مال کسی اور کے لیے حلال وجائز نہیں جب تک وہ اپنی مرضی سے آزادانہ طور پر اس کے حوالے نہ کردے؛ اس لیے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

یاد رکھیں ایک روز آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔پس خبر دار رہو غفلت نہ برتو اور میرے بعد مرتد نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آنے والا اور نہ کوئی نیا دین ابھرے گا۔اے لوگو! میرے الفاظ کو خوب اچھی طرح سمجھ لو جو میں تم تک پہنچا رہا ہوں۔میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور اپنی سنت کو چھوڑ رہا ہوں۔جب تک تم ان کی اتباع کرتے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔جو بھی میری ان باتوں کو سن رہا ہے، اس کا حق بنتا ہے کہ وہ میرے ان پیغامات کو ان لوگوں تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ہوسکتا ہے کہ بعد میں آنے والے میرے پیغام کو براہ راست سننے والوں سے بہتر انداز میں سمجھ لیں۔اے اللہ گواہ رہنا میں نے تیرے بندوں کو تیرا پیغام پہنچا دیا ہے۔خطبہ کے اختتام پر رسول کریم ﷺ نے سامعین سے استفسار فرمایا:

اے لوگو! کیا میں نے اپنا پیغام پورے طور پر تم تک پہنچا نہیں دیا؟ لوگوں کی آوازوں کی ایک نغمگی اُٹھی۔ہاں! ہزاروں حجاج کرام کی زبان سے یہی لفظ نکلا اور فضا میں یہ آواز گونج رہی تھی: اللہم نعم۔رسول معظم ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا کہ میں نے تیرے بندوں تک تیرا پیغام پہنچا دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ وقوف کے لیے غروبِ آفتاب تک کھڑے رہ کر قیام کرنے لگے، جس وقت آپ پہاڑی سے اُتر رہے تھے تو سورۂ مائدہ کی تیسری آیت نازل ہوئی۔بعد میں اونٹنی پر سوار ہو کر آپ مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔

اس مقام پر آپ نے مغرب وعشا کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں۔نماز کے بعد آپ نے آرام فرمایا۔صبح کے وقت فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، اور صبح کی پھیلتی ہوئی روشنی کے ساتھ آپ جمرۃ العقبہ پہنچے۔شیطان

کو کنکریاں مارتے ہوئے آپ منیٰ چلے گئے اور دوسرا خطبہ دیا جو پہلے سے مشابہ تھا۔ بعد میں آپ قربان گاہ چل پڑے اور قربانی کے اونٹ ذبح فرمائے۔ آپ کے داماد حضرت علیؓ ۔رضی اللہ عنہ۔ نے قربانی کی اور قربان کیے گئے ہر اونٹ سے کچھ گوشت اٹھا کر پکانے اور کھانے لگے۔ ازاں بعد رسول اللہ ﷺ نے سر منڈھایا، احرام اُتارا، اور طواف کعبہ فرمایا۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ زمزم کی طرف چلے اور پیش کیے گئے آب زم زم کو آپ نے نوش جاں فرمایا۔ بعد میں آپ منیٰ واپس ہوئے اور مزید تین دن گزارے تاکہ جمرات کو کنکریاں ماریں، جہاں پر آپ نے مسلمانوں کو تبلیغ دین سے بھی مشرف فرمایا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَ الْفَتْحُ ○ وَ رَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً ○ (سورۂ نصر: ۱۱۰/۱ تا ۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں (کہ) وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے استغفار کریں۔ بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا) ہے۔

آپ نے سورۂ نصر کی تلاوت فرمائی جو اس وقت نازل ہوئی تھی اور اپنے خطبے کے دوران آپ نے حجاج کرام کو نصیحتیں فرمائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک بار پھر ہر شخص کی زندگی، اموال، عزت کی حفاظت وسلامتی کا تذکرہ فرمایا اور تمام انسانی حقوق کی بنیاد دینے والے ان حقوق کی مسلمانوں کو بار بار یاد دہانی کرائی۔

خطبہ حجۃ الوداع کا مقام :

خطبہ حجۃ الوداع کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ سب سے پہلے اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے یہ خطبہ اپنی زندگی کے آخری ایام ۱۰ھ میں دیا۔ سورۂ مائدہ کی تیسری آیت بھی اس حج کے دوران نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيناً ..... (سورۂ مائدہ: ۳/۵)

.....آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا.....

یہ خطبہ چند اہم موضوعات پر مشتمل ہے؛ کیوں کہ یہ نہایت اہم مسائل کی گرہ کشائی کرتا ہے اور چند گنی چنی غیر اسلامی رسم ورواج کا خاتمہ کرتا ہے۔ (مثلاً خونی جھگڑے اور سود)، ازدواجی تعلقات کے لیے قوانین کا انکشاف، حج کرنے کا طریقہ اور کئی دوسرے مسائل کو زیر بحث لاتا ہے۔ آج کل بہت سے مصنفین خطبہ حجۃ الوداع کو انسانی حقوق اور زنانہ حقوق کا اسلامی اعلان نامہ سمجھتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ لوگوں کے اموال، زندگی اور عزت وحرمت کا یہاں پر تاریخ میں پہلی مرتبہ اعلان ہوا، اگرچہ اقوام متحدہ کا پاس کردہ انسانی حقوق کا اعلان نامہ مزید تفصیلات پر مشتمل ہے لیکن ان پر حقیقت میں کبھی عمل نہیں ہوا۔ تاہم رحمۃ للعالمین ﷺ

نے خطبہ حجۃ الوداع میں اپنی امت کے ضمیر، روح، ذہن وفکر اور نظریات میں اپنے اقدار کا قلم لگا دیا۔ نتیجتاً لوگ ہمیشہ مکمل آزادی وخود مختاری میں زندگیاں بسر کرتے آئے ہیں۔ اور اسلامی سرزمین میں ان کی عزت، اموال اور زندگیاں محفوظ رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جب مسلمان اپنی پوری قوت وشوکت اور پورے عروج پر تھے۔

اگرچہ انسانی حقوق وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ ابھر کر آنے لگے ہیں تاہم سچی بات یہ ہے کہ اس کا حقیقی تانا بانا دورانِ رسالت ہی میں بنا جا چکا تھا۔ انسانی حقوق کے پہلے منشور کے طور پر خطبہ حجۃ الوداع انتہائی اہمیت کا حامل ہے؛ جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ انسانی حقوق پر عمل مغرب میں مسیحی دور کے اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہوا۔

خطبہ حجۃ الوداع معاشرتی زندگی کے اُصول کے تعارف کا ایک ذریعہ:

رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں درج ذیل نقاط کی نشان دہی فرمائی۔

- ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا اور اس کا شکر بجالانا۔
- نفس اَمارہ ہمیشہ انسان کو گناہوں پر اکساتا رہتا ہے اس وجہ سے خود کو گناہ سے پاک رکھنے کے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔
- زندگی، مال اور عزت ایک دوسرے لیے سامانِ حرمت ہے۔
- زندگی کا حق فطری ہے۔
- عزت، کرامت، وقار اور مال اضافی حقوق ہیں جن کا تحفظ بہر طور ضروری ہے۔
- غیر اسلامی روایات کا خاتمہ کر دیا گیا اس لیے لوگوں کو ایسی اندھی تقلید سے باز رہنا چاہیے جن کے وہ عادی ہو چکے ہیں۔
- سود حرام ہے۔
- خونی جھگڑے منع ہیں۔
- امانتوں کو ان کے اہل حق تک پہنچا دینا چاہیے۔ اس معاملے میں کسی قسم کی خیانت کو راہ نہیں دینا چاہیے۔
- کسی بھی چھوٹے یا بڑے یا اہم اور غیر اہم معاملات میں شیطان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔
- مرد اور عورت کے ایک دوسرے پر باہمی حقوق، فرائض اور ذمہ داریاں ہیں۔
- مرد اور عورت دونوں کو زنا سے دور رہنا چاہیے۔
- غلاموں اور نوکروں سے اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔
- تمام مسلمان آپس میں بھائی اور بہنیں ہیں۔ ان میں کسی قسم کی طبقاتی رعایت نہیں کرنی چاہیے۔ محض نیکی پر عمل پیرا ہو کر ہی ایک دوسرے پر تفوق حاصل کیا جا سکتا ہے۔
- ہر کسی کو ظلم، لوگوں کے مالوں کو ناجائز طریقے پر استعمال کرنے اور مالک کی اجازت کے بغیر اس کے استعمال سے سے

باز رہنا چاہیے۔

- مسلمانوں کو باہمی جنگ وجدل سے پرہیز کرنا چاہیے۔
- قرآن وسنت پر عمل پیرا حضرات کے درمیان کبھی فتنہ سر نہیں اٹھا سکتا۔
- کسی کو بھی دائرۂ اسلام سے باہر قدم نکال کر انتہا پسندی کی طرف نہیں جانا چاہیے۔
- مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پنج وقتہ فرضی نماز، روزۂ رمضان، رسول اللہ ﷺ کے نصائح ووصایا پر عمل کرنا چاہیے۔

جو بھی ان قواعد وضوابط پر عمل کرے گا — انشاءاللہ — جنت کا داخلہ اس کے لیے آسان ہوگا۔

امت کے لیے سلامتی کا واحد راستہ: الفرقۃ الناجیۃ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے سوا سبھی جہنمی ہوں گے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ نجات یافتہ فرقہ کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ کاربند ہیں۔ (سنن الترمذی)

یہ حدیث آج خصوصی اہمیت کی حامل ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے سامان ہدایت ہے۔

اگر ہم انسانی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ جب بھی معلم کائنات ﷺ کے فرمودات کو نظر انداز کیا گیا نتیجہ ہمیشہ مصائب وآلام کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جب تک مسلمان قرآن وسنت کے احکامات پر مکمل طور پر کاربند نہیں ہوں گے تو اسلامی دنیا لاچاری اور ناکامی سے دوچار ہوگی۔ بدرو اور سیاہ رخوں کی صف میں کھڑے ہونے سے بچنے کے لیے ان لوگوں کی صفوں میں جگہ لینے کے لیے جن کے چہرے نور ربانی سے منور ہو کر چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے، مسلمانوں کو قرآن وسنت پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کا آخری دور ایک ایسا دور ہوگا جب فتنہ وفساد کی گرم بازاری ہوگی، تاہم اس وقت کے بعد پھر بشارت کا عہد نمودار ہوگا۔ اس دور کی نشان دہی زبان نبوت نے یوں کی ہے کہ اس دور میں اسلامی اقتدار کا دور دورہ ہوگا اور اسلام کی حسن وخوبیاں پورے آب وتاب کے ساتھ عالم دنیا میں جلوہ گر ہوں گی۔ یہ حقیقت کہ آج اسلامی دنیا مشکل دور سے گزر رہی ہے یہ اس بات کے سوا کسی اور چیز کی غمازی نہیں کرتی کہ ہم اس بہترین دور کے منڈیر پر پہنچ آئے ہیں۔ احادیث طیبہ اور قرب قیامت کی علامات جو اہل سنت کے عقیدہ کی ایک اہم کڑی ہیں اور اس وقت رونما ہونے والے واقعات آج سب پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

قربِ قیامت اور اہل سنت کے لیے بشارتیں

THE END TIMES AND GLAD TIDINGS FOR THE AHL AL-SUNNAH

حضور مخبر صادق ﷺ نے ہمیں مطلع فرمایا ہے کہ قربِ قیامت میں جنگ وتفنگ، اختلافات وفسادات، ظلم و بربریت اور عداوتوں کا سلسلہ بڑھ جائے گا۔ یہ ایک ایسا دور ہوگا جب پوری دنیا فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن جائے گی۔ لیکن صعوبتوں بھرا یہ دور ایک ایسے دورِ زریں کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوگا جب ہر طرف عدل وانصاف، امن وسلامتی، محبت وشفقت، تحمل وبردباری اور مسرت وشادمانی کی روشنی عام ہوجائے گی۔

حضور صادق وامین ﷺ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ دور اہل سنت کے لیے کسی خوشخبری سے کم نہ ہوگا جب ضلالت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے بعد اسلام کی سربلندی کا آفتاب اپنے نصف النہار پر آجائے گا۔ اگر نورِ باطن سے دیکھیں تو واضح ہوجائے گا کہ ہم آج اسی دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ چودہ سو سال پہلے رسول اعظم ﷺ کی بیان کردہ ہر پیشین گوئی مہر نیم روز کی طرح سچی ثابت ہورہی ہے اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری وساری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق لادینیت کے فتنے اور انکارِ ایمان پر مبنی ان مختلف فلسفیانہ نظاموں کے سبب لوگوں میں جنگ عظیم کا وقوع اس دور کا پہلا مرحلہ ہوگا۔ انسان اپنے مقصد تخلیق کو فراموش کردے گا اور اس طرح روحانی خلا اور اخلاقی تنزل کے دور کا آغاز ہوگا۔ عظیم آلام وآفات، اور لڑائیاں شروع ہوجائیں گی، اور ہر شخص اس سوال کے جواب کی تلاش میں سرگرداں نظر آئے گا کہ "ہماری نجات کیسے ہوگی؟"

احادیث میں قربِ قیامت کی جن علامات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے اکثر اپنی حقیقت وماہیت کے ساتھ ہمارے دور میں نمودار ہورہی ہیں۔ اس طرح جنگ وجدل، مخالفت کے طوفانوں، تشدد ودہشت اور فتنہ وفساد کی بہتات وکثرت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم اس دور کے پہلے مرحلے میں آج زندگیاں گزار رہے ہیں۔

احادیث نبوی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس دور میں پھیلی ہوئی تاریکیوں سے انسانیت کو نجات بخش کر پھر راحت وآسائش کا زمانہ لے آئے گا۔ اسی دور میں روحانی واخلاقی طور پر مفلوج انسانیت کو راہِ راست پر لگانے کے لیے مہدی کے نام سے مشہور ایک عبد صالح کی اس دنیا میں جلوہ گری ہوگی۔

علماے دین کی تشریحات سے پتا چلتا ہے کہ حضرت مہدی تین اہم فرائض سرانجام دیں گے :

- لادینیت کو تقویت بخشنے والے اور وجودِ الٰہی پر مبنی جملہ فلسفیانہ نظریات کو شکست فاش دیں گے۔
- قرآن وسنت کی اصل روح کے مطابق اسلامی نظام کو بحال کریں گے۔

– اور قربِ قیامت میں مرحلہ اول کے دوران اٹھنے والے انسانی اختلافات و تعصب کو مٹا دیں گے۔

بالفاظِ دیگر آپ ہر قسم کی دینی و معاشی مشکلات کے خاتمے کا وسیلہ بن کر امن و سلامتی اور اخلاقِ حسنہ کا بول بالا فرمائیں گے اور اسلامی دنیا کے منتشر شیرازہ کو ایک نقطہ اتحاد پر جمع فرمائیں گے۔

قربِ قیامت کی بشارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ –علیہ السلام– دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ آپ کی آمدِ ثانیہ کا تذکرہ آیاتِ قرآنی، احادیثِ طیبہ اور علمائے اسلام کی کتابوں میں ایسے تواتر و وثوق کے ساتھ ملتا ہے کہ اس کی صداقت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

حضرت عیسیٰ –علیہ السلام– یہود و نصاریٰ کو اوہام پرستانہ عقائد ترک کر کے قرآنی احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دعوت دیں گے۔ نصرانیوں کی اطاعتِ عیسوی کے بعد مسلمان اور عیسائی آپس میں ایک ہی ایمانی کڑی میں جڑ جائیں گے، اور اس طرح امن و سلامتی اور ابتہاج و انبساط کے ایک سنہرے دور کا آغاز ہوگا۔

نیز بہت سی احادیث میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ –علیہ السلام– حضرت مہدی کی شراکت میں دجال کے پھیلے ہوئے افکار و نظریاتِ باطلہ کی بیخ کنی فرما کر مشیتِ الٰہی سے ایک ایسی مسرت بخش فضا قائم فرمائیں گے جہاں قرآنی اقدار و احکامات کی بالادستی ہوگی۔ یہ زمانہ نصف صدی سے زیادہ پر محیط ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے خیر القرون سے زیادہ مشابہ ہوگا۔ رسول پاک ﷺ کے اس زمانے کو جنت کی حیاتِ طیبہ سے مشابہ قرار دینے کی وجہ سے یہ عہد "دورِ زریں" سے تعبیر کیا جائے گا۔ منشائے خداوندی سے اس دور میں امن و سلامتی کا چرچا عام ہوگا۔ قربِ قیامت کے دورِ اول کے ہر نوع کے تنزل و پریشانی اور کرب و حزن کا خاتمہ ہوگا، آفات و بلیات، اور شدائد و آلام کی جملہ شکلیں گُل ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار پر مبنی وہ فلسفیانہ نظام جو اخلاقی تنزل و انحطاط اور روحانی بگاڑ کا سبب ہے اس کی جگہ قرآنی احکامات کی بالادستی پر مبنی پُر مسرت دور لے لے گا۔ اہلِ ایمان صدیوں سے ایسے دور کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ پروردگارِ عالم انسانیت کو قربِ قیامت کی بربادی اور تاراجیوں سے محفوظ و مامون کر کے خوشی و ثروت اور عدل و انصاف کی نعمتوں سے ہر کسی کو مالا مال کر دے گا۔

قرب قیامت کی بابت بشارت ہائے نبوی :

احادیثِ نبویہ کے اندر ان دور میں نعمتوں اور آسائشوں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ بڑی ثروت و شادمانی اور کثرتِ اموال و دولت کا دور ہوگا۔ بقائے حیاتِ انسانی کے سامان اتنے وافر مقدار میں دستیاب ہوں گے کہ ان کا شمار دشوار ہوگا۔ اس دور میں ہر طرح کی مشکلیں دم توڑ جائیں گی، اور کسی کو کسی قسم کی احتیاج و غربت باقی نہ رہے گی۔

کثرت پیداوار :

اس کرۂ زمین پر موجود پیداواری کے جملہ سرچشمے نمودار ہو جائیں گے۔ اور کھیتوں کی پیداوار میں ناقابلِ یقین حد تک

اضافہ ہوجائے گا۔ نعمتوں کی ان کثرت کی بابت چند احادیث ملاحظہ فرمائیں :

اللہ تعالیٰ میری نسل سے ایک ایسے انسان کو مبعوث فرمائے گا کہ جس کی انتھک کوششوں سے ظلم و بربریت سے آلودہ یہ سرزمین عدل وانصاف کا گہوارہ بن جائے گی۔ آسمانی مخلوق کی طرح زمینی مخلوق بھی خوش وخرم اور پرسکون ہوگی۔ اور زمینیں جی چاہی فصلیں اگائیں گی، آسمان بارش کا کوئی قطرہ روک نہ رکھے گا بلکہ لگاتار برساتا رہے گا۔ اور یہ جرأت وسعادت مند شخص کوئی سات یا نو سال تک انسانوں کے درمیان رہے گا۔ (مستدرک حاکم۔ کنز العمال: کتاب القیامۃ)

اس دور میں میری امت ایک ایسی پرسکون اور آزادانہ زندگی بسر کرے گی جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ زمین اپنے خزانوں میں سے کچھ چھپا نہ رکھے گی بلکہ سب کچھ باہر نکال کر رکھ دے گی۔ (ابن ماجہ)

زمین اپنے اندر دبے خزانوں کو نکال کر باہر کر دے گی۔ (ابن حجر ہیثمی، القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر صفحہ: ۴۵)

زمین چاندی کی طشتری بن کر اپنے سبزہ جات اُگائے گی۔۔۔ (ابن ماجہ)

زمین میں بونے والے گیہوں کے ایک پیمانے کی پیداوار سات سو گنا تک بڑھ کر اُگے گی، ایک شخص چند دانے تخم کا ایک مشت زمین میں بوئے گا مگر اس سے سات سو گنا دوگنی پیداوار اُگے گی۔ کثرت بارش کے باوجود ایک قطرہ پانی ضائع نہیں ہوگا۔ (ابن حجر ہیثمی، القول المختصر صفحہ: ۲۳)

اخلاقی انحطاط کی جگہ یمن وسلامتی لے لے گی، فتنہ وفساد اور ظلم و بربریت ختم ہوجائے گی۔ ڈاکہ زنی، جھوٹ، فریب اور محتاجوں کی غمگساری سے غفلت، اور محض چند افراد کی دولت وثروت پر قبضہ جیسی ناانصافیوں کا خاتمہ ہوجائے گا، اور ہر طبقہ کے لوگوں کے درمیان مساوات کی فضا تن جائے گی؛ کیوں کہ قرآنی احکامات کا عملی نفاذ ہوگا اور اعتماد وسلامتی کے دروا ہوجائیں گے، کوئی بھی برائی، دروغ گوئی اور اعمال ممنوعہ کے ارتکاب کی طرف مائل نہ ہوگا۔ احادیث نبوی میں اس دور کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

آسمان وزمین کی تمام مخلوق یہاں تک کہ ہوا میں پرندے بھی اُن کی خلافت سے راضی وخوش ہوں گے۔ (ابن حجر ہیثمی، القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر صفحہ: ۲۹)

اس دور میں کسی کو خواب سے نہیں جگایا جائے گا اور خون کا کوئی قطرہ زمین پر (ناحق) نہ گرے گا۔ (المتقی الہندی البرہان، صفحہ: ۱۱)

اس عہد زریں میں نہ کسی کو خواب سے جگایا جائے گا اور نہ کسی کی ناک سے خون بہے گا۔ (ابن حجر ہیثمی، القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر صفحہ: ۴۳)

اواخر امت میں ایک ایسا خلیفہ جلوہ گر ہوگا جو بلا حساب اپنے عوام کو اموال ومتاع سے مالا مال کر دے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب ۴۱ حدیث: ۶۹۶۱)

اگر یہ دنیا فنا ہونے کے قریب ہو اور صرف ایک دن باقی رہ جائے تب بھی میری خاندان سے اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو ضرور مبعوث فرمائے گا جو اس زمین میں پھیلے ہوئے شر و فساد کی جگہ عدل و انصاف کا خوبصورت نظام قائم کرے گا۔ (سنن ابوداؤد، کتاب:۳۶ حدیث:۴۲۷۰)

اُس (مہدی) کی حکومت میں ظلم و نا انصافی کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہ ہوگا۔ (الدانی)

زمین عدل و انصاف کی آماجگاہ بن جائے گی۔ (امام ربانی مکتوبات ربانی: جلد اول نمبر ۲۵۱)

مہدی کے دور میں عدل و انصاف کا یہ عالم ہوگا کہ بزور لیے گئے اموال اُن کے حق داروں کو واپس کر دیا جائے گا گرچہ ایک شخص کا مال کسی کے دانتوں کے درمیان ہی چھپا ہوا کیوں نہ ہو۔ دنیا میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہوگا یہاں تک کہ چند عورتیں بغیر مردوں کے (بلا تکلف) مناسک حج ادا کرنے کے قابل ہوں گی۔ (ابن حجر ہیثمی، القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر صفحہ:۲۳)

خاتمہ جنگ و جدل :

احادیث نبوی کے مطابق اس دور کا طرۂ امتیاز یہ ہوگا کہ کسی قسم کے مال کا کوئی محتاج نہ رہے گا۔ مکمل امن و سلامتی، یمن و برکت اور ہر سو عدل و انصاف کی کارفرمائی ہوگی۔ لوگوں کی آسائش و آرام اور ان کے اطمینانِ قلب کی خاطر ہر نوع کے مادی و روحانی وسائل کا استعمال ہوگا۔ یہ نعمتیں ہر کسی کو کثرت کے ساتھ بغیر حساب ملیں گی۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ اس دور میں "ہتھیار رکھ دیے جائیں گے" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت انسان پورے طور پر امن و امان میں ہوں گے۔ نفرت و کدورت کی وجہ سے دست بگریباں لوگ آپس میں اخوت و بھائی چارگی کے رشتے میں منسلک ہو جائیں گے، اور لڑائیوں کی بجائے امن و صداقت اور شفقت و محبت کا دور دورہ ہوگا۔

قرآنی اقدار کا غلبہ :

قرآن کے زرّیں اصول کا نفاذ تمام انسانوں کے لیے خوشی، سلامتی اور آسائش کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اس دور کا اہم ترین خاصہ یہ ہے کہ اس وقت موجود تمام انسان قرآن کو قبول کر کے اس کے احکامات کی روشنی میں اپنی زندگیاں گزاریں گے۔ انانیت، نفرت، غضب، حسد، جملہ خلافِ انسانیت خصائل، فساد، حرام، کذب، اور رشوت جیسی قبیح صفات سے وہ اجتناب کریں گے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ تمام لوگوں کا یہ عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر شاہد ہے اور روزِ قیامت ان کے کردنی کی بابت ان سے باز پرس ہوگی۔ نتیجے کے طور پر امانت، یارومددگاری، شفقت و محبت، احترام، رحم، ایثار، دوسروں کی خوشی، صحت، آرام اور سلامتی کے احساسات جیسی صفات حسنہ کا چرچا ہوگا۔ احادیث نبوی میں ایسے اخلاقی اقدار کا تذکرہ یوں ملتا ہے :

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہمارے دور میں شروعات کی، اسی طرح اس (مہدی) کے ہاتھوں اس کو اس کی انتہا

پر پہنچائے گا۔جس طرح ہمیں اس وقت بت پرستی اور عداوت سے محفوظ کردیا گیا اور دلوں میں صداقت وشفقت جاگزیں ہوگئی ہے اسی طرح یہی کچھ اس کی آمد سے بھی ہوگا۔(المتقی الہندی، البرہان فی علامات المہدی فی آخر الزمان: صفحہ۴۰)

نیک لوگ نیک ترین بن جائیں گے اور بد اطواروں کی اصلاح ہو جائے گی۔(المتقی الہندی، البرہان فی علامات المہدی فی آخر الزمان: صفحہ۱۷)

ٹکنالوجی اور فنون کی ترقی :

دوسرے میدانوں کی طرح ٹکنالوجی اس دور میں اپنے انتہا کو پہنچ جائے گی۔طب، زراعت، صنعت، اور مواصلات کے میدانوں میں دوررس ترقی سے تمام لوگ مستفید ہوں گے۔(قرب قیامت اور مہدی کے نام سے ہارون یحیٰ کی کتاب)

عہد زریں میں ثروت واموال، سامان زیبائش اور زندگی کے ہر شعبے عروج پذیر ہوں گے۔فنون بھی متاثر ہوں گے، پہلے سے کہیں زیادہ زیب وآسائش والی موسیقی، تصویر کشی اور دوسرے شعبوں میں ترقی سامنے آئے گی۔اللہ تعالیٰ پر ایمان سے انسانیت کو وسعت نظر اور گہرائی فکر عطا ہوگی جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں تمام فنی میدانوں میں دنیا کی قیادت کریں گے۔لوگوں کو ہر طرف، اپنی رہائش گاہوں، باغوں، پوشاکوں، کام کی جگہوں اور اس طرح ہر قسم کی موسیقی اور وسائل فرحت ولذت، تعمیر، مصوری یوں ہی طرز گفتگو میں بھی زینت وخوشی محسوس ہوگی۔

لوگ اپنی زندگیوں سے اتنے مطمئن ومسرور ہوں گے کہ حدیث نبوی کے مطابق وہ کبھی یہ محسوس کرنے کی زحمت نہ کریں گے کہ وقت کیسے گزر رہا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ سے درازی عمر کی دعا کریں گے تاکہ ان نعمتوں سے مزید لطف اندوزی ممکن ہو سکے۔ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ہر کوئی مہدی کے دور میں زندگی گزارنے کا آرزومند ہوگا۔

نوجوانوں کی خواہش ہوگی کہ معمر ہو جائیں اور بالغوں کی خواہش ہوگی کہ وہ نوجوان ہو جائیں.......(المتقی الہندی، صفحہ:۱۷)

نعمان بن حماد نے تاؤج سے سنا :

کاش میں مہدی کے زمانے تک زندہ رہ پاتا۔(ایضاً، صفحہ:۱۷)

نعمان بن حماد نے ابن عباس –رضی اللہ عنہما– سے سنا :

مہدی اہل بیت سے تعلق رکھنے والے ایک جوان رعنا ہیں۔ ہمارے بوڑھوں کو ان سے شرف ملاقات کا موقع نہیں ملے گا۔جب ہمارے جوان ان کو دیکھنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔(نفس مصدر، صفحہ:۲۳)

درحقیقت رسول پاک ﷺ نے یہ کہہ کر ہر کسی کو ان نعمتوں کی بشارت دے دی کہ یہ مبارک مہدی جو دارین میں انسان کی نجات وکامرانی کا وسیلہ بن کر آئیں گے اس سے چپٹے رہنا ہر ایک کی ضرورت ہے، اگرچہ اس تک رسائی کے لیے اس کو برف پر

رینگنا پڑے۔

میری نسل میں سے ایک فرد اس دنیا کو زیورِ عدل و انصاف سے آراستہ کردے گا جس طرح کہ یہ فتنہ و فساد سے بدنما ہوگئی تھی، جو بھی اس وقت کو پائے اسے چاہیے کہ اس تک پہنچے اگرچہ اس تک پہنچنے کے لیے برف پر رینگنا ہی کیوں نہ پڑے؛ کیوں کہ اس کے درمیان اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔(سنن ابن ماجہ)

جن صفات حسنہ اور حیات طیبہ کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے۔وہ اُن کے دور میں عملی طور پر نمودار ہوں گے۔اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی مسلمانوں سے حیات طیبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (سورہ نحل:۱۶/۹۵تا۹۶)

جو (مال وزر) تمہارے پاس ہے فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے، اور ہم ان لوگوں کو جنھوں نے صبر کیا ضرور ان کا اجر عطا فرمائیں گے ان کے اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے رہے تھے۔جو کوئی نیک عمل کرے (خواہ) مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے، اور انھیں ضرور ان کا اجر (بھی) عطا فرمائیں گے ان اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے تھے۔

قرآن نے ہماری توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرنے والوں کا معاشرہ گہوارۂ امن بن جائے گا، اور اس اخلاق کے حامل افراد کو مزید حسن و خوبی عطا کردی جائے گی اور پھر اگلی دنیا میں دائمی حیات طیبہ سے نوازے جائیں گے۔

وَ اللّٰهُ يَدْعُوْ اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ (سورۂ یونس:۱۰/۲۵تا۲۶)

اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے، اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے بلکہ (اس پر) اضافہ بھی ہے، اور نہ ان کے چہروں پر (غبار اور) سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت و رسوائی، یہی اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ضمیمہ نظریہ اِرتقا کا فریب

ڈاروزم یعنی نظریہ ارتقال تخلیق کی حقیقت سے انکار کی خاطر وضع کیا گیا تھا۔لیکن حقیقت سے اس کا کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں بالآخر اس نظریے کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔نظریہ ارتقا سائنسی تحقیق سے عاری جھوٹ کا ایک پلندہ ہے۔اس نظریے کے مطابق زندگی غیر حیاتیاتی مادوں سے اتفاقاً ابھر کر آ گئی ہے۔جاندار اشیا کائنات میں موجود معجزانہ نظم وضبط کی سائنسی شہادت نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔یوں ہی سائنسی علوم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اور اس کے اندر موجود اشیا کی تخلیق 'خالق مطلق -عزوجل- نے فرمائی ہے۔اس نظریے کی بقا کی خاطر جو بھی پروپیگنڈے تراشے گئے ان کی بنیاد محض غیر سائنسی حقائق پر رکھی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ سائنسی حقائق کا توڑ مروڑ، غلط طرزِ تعبیر اور کذب وافترا ہیں جنھیں مصلحتاً سائنس کا لبادہ اُڑھا دیا گیا ہے۔

مگر پروپیگنڈوں کا یہ سلسلہ جتنا بھی دراز ہو جائے جب آفتاب حقیقت طلوع ہو گا تو سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔یہ حقیقت کہ نظریہ ارتقا سائنس کی تاریخ میں عظیم ترین فریب ہے جس کا ثبوت کوئی بیس تیس سال سائنسی دنیا کا نگاہ سامنے آتی رہتی ہے۔خصوصاً -۱۹۸۰ء- کے بعد کی گئی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ ڈاروزم کے دعوے بے ثبوت ہیں اور کئی سائنس دانوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔بالخصوص سائنس دان امریکہ -جن کا تعلق سائنس کے مختلف شعبوں مثلاً علم حیاتیات، علم بشریات، علم کیمیا، اور علم حجریات سے رہا ہے- نے ڈاروزم کے بطلان کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔اور حیات کے سرچشمے کے لیے تخلیق کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ہم نے ارتقا کے نظریے کی ناکامی کا مطالعہ کیا ہے اور اپنی کتابوں میں دقیق سائنسی تفصیلات کے ساتھ تخلیق کے دلائل پیش کیے ہیں اور اب تک تحقیق کا یہ سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔یہ موضوع چوں کہ کافی اہمیت کا حامل ہے اس لیے بہتر ہو گا کہ اپنی تحقیق کا اجمالی خاکہ یہاں بھی بیان کر دیا جائے۔

ڈارونزم کی سائنسی ناکامی:

اگر چہ قدیم یونان میں اس قسم کے نظریات کا چرچا ملتا ہے لیکن ارتقا کے نظریہ کو انیسویں صدی میں کافی شہرت دی گئی۔وہ اہم ترین اقدام جس نے اس کو دنیائے سائنس کا اہم ترین موضوع بنا دیا وہ -۱۸۵۹ء- میں شائع کی گئی چارلس ڈارون کی کتاب Origine of species (سرچشمہ اجناس) تھی۔اس کتاب میں اس نے کرۂ ارض پر جداگانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے انکار کیا کیوں کہ اس کا دعویٰ تھا کہ تمام جانداروں کے آبا واجداد مشترک ہیں اور معمولی سی تبدیلیوں کی بنا پر مختلف روپ اختیار کر چکے ہیں۔ڈارون کے نظریے کی بنیاد کسی ٹھوس سائنسی انکشاف پر نہیں تھی جیسا کہ اس نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ تو ایک 'مفروضہ' محض ہے۔مزید برآں جیسے کہ ڈارون نے اپنی کتاب کے اس منفصل باب "اس نظریے کی مشکلات"

میں اس نے تسلیم کیا ہے کہ یہ نظریہ کئی نازک سوالات کے جوابات دینے سے قاصر ہے۔

ڈارون کی امیدوں کا مرکز نئی سائنسی ایجادات تھیں کہ وہ آگے چل کر ان مشکلات کا ازالہ کردیں گی تاہم اس کی توقعات کے برعکس سائنسی انکشافات نے ان مشکلات کے دائرے کو مزید وسعت پذیر کردیا۔ سائنسی ثبوت کے مقابلے میں ڈارونزم کی ناکامی درج ذیل بنیادی موضوعات کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے :

ا: یہ نظریہ کرۂ ارض پر حیات کی آمد کی تشریح سے قاصر ہے۔

۲: کوئی بھی سائنسی انکشاف اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ اس نظریے کے مفروضے ارتقائی ترکیب وطریقہ کار میں کوئی ارتقائی جان وقوت موجود ہے۔

۳: حجریاتی ریکارڈ اس نظریے کے تجویز کردہ مواد کی بعینہٖ ضد کو دکھاتا ہے۔

اس حصے میں ہم ان تین نقطوں کی عام فہم تفصیل کا جائزہ پیش کریں گے۔

پہلا غیر مغلوب اقدام:

نظریہ ارتقا تجویز کرتا ہے کہ تمام جاندار ایک جاندار خلیے سے وجود میں آئے ہیں جو ۳۰۸ بلین سال قبل زمین پر ابھر کر آیا۔ ایک ہی خلیے سے اتنے ملین اقسام کے پیچیدہ جاندار اجناس کیسے پیدا ہوسکتے ہیں اور اگر حقیقت میں اس طرح کی کوئی ارتقا واقع ہوئی تو پھر حجریاتی ریکارڈ میں اس کے آثار کیوں نہیں ملتے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات ارباب نظریہ ارتقا کے بس سے باہر ہیں۔

تاہم اولاتو سب سے اہم سوال یہ کھڑا ہوتا ہے کہ یہ 'پہلا خلیہ' کیسے وجود میں آیا؟۔

چوں کہ نظریہ ارتقا تخلیق اور ماوراءالفطرت قوت کا انکار کرتا ہے اور اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ پہلا خلیہ کسی ڈیزائن، پلان اور تیاری کے بغیر فطرت کے قوانین کے تحت حادثاتی طور پر وجود میں آیا۔ اس نظریے کے مطابق غیر جاندار مادے نے اتفاقاً ایک جاندار خلیے کو جنم دیا تاہم اس طرح کے دعوے کا علم حیاتیات کے معروف اصولوں کے ساتھ کوئی ربط وضبط نہیں۔

''زندگی زندگی سے آتی ہے''

ڈارون نے اپنی کتاب میں کبھی زندگی کے سرچشمہ کا ذکر نہیں کیا اس کے دور میں سائنس کی ابتدائی فہم کی بنیاد اس مفروضے پر تھی کہ جاندار بہت ہی سادہ ساخت کے حامل ہیں۔ قرونِ وسطی سے اختیاری تناسل کے نظریے نے کافی مقبولیت حاصل کرلی ہے جو اس بات پر زور دیتی ہے کہ زندہ جسم بنانے کی خاطر بے جان مادے اکٹھے ہوئے۔ عام طور پر یہ باور کیا جاتا تھا کہ حشرات الارض کھانے کے باقیات اور چوہے گندم سے وجود میں آئے ہیں۔ اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے دلچسپ قسم کے تجربے کیے گئے مثلاً کپڑے کے ایک گندے ٹکڑے پر گیہوں کے دانے بچھائے گئے اس مقصد کے تحت کہ اس سے کچھ مدت بعد چوہا نکل کر آئے گا۔

اس طرح کیڑوں کا سڑنے والے گوشت سے نکلنے کو اختیاری تناسل کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا۔ تاہم بعد میں یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آئی کہ گوشت سے کیڑے اختیاری طور پر پیدا نہیں ہوتے بلکہ ظاہری آنکھ کے لیے ناقابل تردید لاروا کی شکل میں حشرات کے ساتھ چمٹ کر وہاں پہنچے۔

حالاں کہ جب ڈارون نے The Origine of Species (سرچشمۂ اجناس) نامی کتاب لکھی، اس وقت سائنسی دنیا میں بکٹیریا کا غیر جاندار اشیا سے وجود میں آنے کا عقیدہ مقبول تھا۔

تاہم ڈارون کی کتاب کی اشاعت کے پانچ سال بعد لوئس پاسچر نے طویل مطالعہ اور تجربات کے بعد اپنے حاصل کردہ نتائج کا اعلان کیا جس نے ڈارون کے نظریے کے لیے اساس کی حیثیت رکھنے والے اختیاری تناسل والے عقیدے کو باطل قرار دیا۔

۱۸۶۴ء میں ساربونی کے مقام پر اپنی فاتحانہ تقریر کے دوران پاسچر نے کہا: اس سادے تجربے کے نتیجہ میں اختیاری تناسل کے نظریے پر لگنے والی ضرب کاری اتنی گہری ہے کہ وہ پھر سر نہیں اٹھا سکے گی۔ طویل مدت تک حامیانِ نظریہ ارتقا ان انکشافات کی راہ میں حائل رہے مگر سائنسی ترقی کے ساتھ جب جاندار خلیے کی ساخت کی پیچیدگی کا پتا چلا تو اتفاقاً زندگی کے وجود میں آنے والے نظریہ اس سے بھی عظیم تر مزاحمت سے دوچار ہوا۔ (۱)

بیسویں صدی کی غیر نتیجہ خیز مساعی :

روس کا مشہور عالم حیاتیات الکسنڈر اُپارن بیسویں صدی کا پہلا ارتقا پسند تھا جس نے حیات کے سرچشمے کے موضوع پر بحث کی۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اس نے اپنی تحقیق کا سلسلہ وسیع تر کر دیا، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اتفاقاً ایک زندہ خلیہ وجود میں آ سکتا ہے لیکن ناکامی اس کی تحقیق کا مقدر بن گئی بالآخر اُپارن کو درج ذیل اعتراف کرتے بنی :

بہر حال بدقسمتی سے خلیہ کی ابتدا کا مسئلہ جانداروں کے ارتقا کی پوری تحقیق میں انتہائی مبہم نقطہ ہے۔ (۲)

اُپارن کے بعد آنے والے ارتقا پسندوں نے اس مسئلے کے حل کی خاطر تجربات کا سلسلہ جاری رکھا ان میں سے معروف ترین ۱۹۵۳ء میں امریکی کیمیادان سٹینلی میلر کا تجربہ تھا اپنے خیال کے مطابق ابتدائی زمینی فضا میں موجود گیسوں کو اپنے تجربہ میں اکٹھے کر کے اس محلول میں توانائی کا اضافہ کیا گیا۔ میلر نے لحمیات میں موجود کئی حیاتیاتی مالیکیوں (امینوایسڈ) مرکب کیا۔

چند سال گزرنے کے بعد بارلی نے ثابت کیا کہ یہ تجربہ جو ارتقا کے نام پر اہم اقدام کے طور پر اُس وقت پیش کیا گیا تھا بالکل بے بنیاد ہے؛ کیونکہ اس تجربے کے دوران استعمال ہونے والا ماحول اس وقت کی زمین کی فضا سے کافی جداگانہ تھی۔ (۳)

طویل خاموشی کے بعد میلر نے اعتراف کیا کہ اس تجربے کے لیے جس ماحول کو استعمال کیا گیا تھا وہ غیر حقیقی تھا۔ (۴)

زندگی کی ابتدا کی تشریح کی خاطر بیسویں صدی میں کیے گئے ارتقا پسندوں کی تمام تر کوششیں ناکامی سے دوچار

ہوئیں۔ سائڈیگو سکرپس انسٹیوٹ کے جیو کیمسٹ جیفری بدانے ۱۹۹۸ء میں Earth Magazine ارتھ میگزین میں شائع کردہ آرٹیکل میں اس حقیقت کو قبول کرلیا ہے :

آج جب ہم بیسویں صدی کو الوداع کہہ رہے ہیں اب بھی ہمارا سامنا اس عظیم ترین غیرحل شدہ مسئلہ سے ہے جس اس وقت بھی ہمیں درپیش تھا جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تھا۔(۵)

زندگی کی پیچیدہ ساخت :

وہ اساسی عامل جس کے سبب نظریہ ارتقا کو زندگی کے آغاز کے سلسلے میں بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ کہ سادہ ترین تصور کیے جانے والے وہ زندہ اجسام انتہائی پیچیدہ ساخت کے مالک ہیں۔ زندہ اشیا کا خلیہ انسانوں کے بنائے گئے تمام ٹیکنالوجیکل پیداوار سے پیچیدہ تر ہے۔ آج تک دنیا کی انتہائی پیش رفتہ تجربہ گاہوں میں نامیاتی کیمیکل کو آپس میں ملانے سے پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

ایک خلیہ کی بناوٹ کے لیے درکار حالات و شرائط اتنے زیادہ ہیں کہ محض اتفاق سے اس کا وجود میں آنا محال ہے۔ لحمیات جو ایک خلیہ کے لیے عمارتی اینٹوں کا کام دیتی ہے اس کے اتفاقاً بننے کا ایک میں ۱۰۹۵۰ ہے۔ جب کہ ایک اوسط لحمیات ۱۵۰۰ امینو ایسڈ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ریاضیات میں ایک تقسیم ۱۰۵۰ سے معمولی تر عملی اصطلاح میں ناممکن تصور کی جاتی ہے۔

ڈی این اے کا مالیکیول جو ایک سیل کے نیوکلیس کے اندر ہوتا ہے اور وراثتی معلومات کو ذخیرہ کرتا ہے درحقیقت معلومات واعداد کا خزانہ ہے۔ ڈی این اے کے اندر رکھی ہوئی معلومات کو سپرد قرطاس کیا جائے تو ۹۰۰ جلدیں جس میں ہر جلد ۵۰۰ صفحہ پر مشتمل ہو والا ضخیم انسائیکلوپیڈیائی کتب خانہ بن جائے گا۔

اس نقطہ پر ایک دلچسپ معمہ ابھر کر سامنے آتا ہے: ڈی این اے خود کو کچھ خاص لحمیات (انزائم) کی مدد سے دوگنا کر سکتا ہے، تاہم ان انزائم کی ترکیب محض ڈی این اے کے اندر محفوظ معلومات کے ذریعہ ممکن ہے؛ جیسا کہ ان دونوں کا انحصار ایک دوسرے پر ہے تو دوگنا بننے کی خاطر انھیں اکٹھے رہنا ہوتا ہے یہ اس منظرنامے کو پیش کرتا ہے کہ زندگی خود سے ناآگاہ حالت میں پیدا ہوئی۔ کیلیفورنیا کے سان ڈیگو یونیورسٹی کے معروف ارتقاپسند پروفیسر لسلی اورجل نے امریکی سائنسی میگزین کے ستمبر ۱۹۹۴ء کے شمارے میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا :

یہ بالکل ناممکن ہے کہ اپنی ساخت کے اعتبار سے انتہائی پیچیدہ لحمیات اور نیوکلیائی ایسڈ ایک ہی وقت میں ایک ہی مقام پر اختیاری طور پر پیدا ہوئے ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کیا جاسکے۔ اس طرح پہلی نظر میں انسان کو یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ زندگی کا آغاز کیمیائی وسائل سے ہو کر آیا ہے۔(۶)

بلاشبہ جس طرح کہ زندگی کے لیے فطرتی اسباب سے پیدا ہونے کا امکان نہیں تو پھر یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ زندگی ایک ماوراءالفطرت انداز میں 'پیدا' کی گئی ہے۔ یہ بات دلیل تخلیق کی حقیقت سے انکار پر مبنی نظریہ ارتقا کو باطل قرار دیتی ہے۔

ارتقا کا فرضی طریقۂ کار :

ڈارون کے نظریے کی تردید و بطلان کرنے والا دوسرا اہم نکتہ کہ ''ارتقائی طریقہ کار'' کے طور پر پیش کیے جانے والے دونوں نظریات کو اس انداز میں سمجھے گئے کہ در حقیقت کوئی ارتقائی قوت سرے سے ہے ہی نہیں۔

ڈارون نے اپنے ارتقائی دعووں کا ''فطرتی انتخاب'' کے طریقہ کار پر اساس بندی کی، اس طریقہ کار کی اہمیت اس نے اپنی کتاب The Origine of Species, By means of natural selection (آغاز اجناس بفطرتی انتخاب کے وسیلے) میں بیان کی ہے۔

فطرتی انتخاب کا مطلب یہ ہے کہ جو جاندار قوی اور اپنے ماحول کے فطرتی حالات سے موزوں تر ربط رکھنے والے ہیں وہ اپنی زندگی کی کشمکش میں باقی رہیں گے، مثال کے طور پر جنگلی جانوروں کے خطرات سے دوچار ہرن کی ریوڑ میں تیز بھاگنے والا ہرن بچ جائے گا، اس لیے ہرن کی ریوڑ تیز تر اور قوی تر ہرنوں پر مشتمل ہوگا۔ تاہم بغیر کسی استفسار کے یہ طریقہ کار ہرن کی ارتقا کا سبب نہیں بنے گا اور اس سے ہرن کسی دوسری جنس مثلاً گھوڑے وغیرہ میں تبدیل نہیں ہوگا۔

اس طرح فطرتی انتخاب کے طریقہ کار میں کوئی ارتقائی قوت نہیں ہے۔ ڈارون بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا اور اپنی کتاب The Origine of Species (آغاز اجناس) میں اس نے اقرار کیا :

خوشگوار و مفید انفرادی امتیازات یا تبدیلیاں واقع ہونے کے بغیر فطرتی انتخاب کچھ نہیں کرسکتا۔ (۷)

لیمارک کا اثر :

پس یہ ''مفید تبدیلیاں'' کیسے واقع ہوسکتی ہیں؟ تو اس سوال کا جواب ڈارون نے اپنے وقت کے سائنس کی ابتدائی سمجھ کے مطابق دیا۔ ڈارون سے پہلے دور میں رہنے والے فرانسیسی عالم حیاتیات جیو الیرڈ ڈی لیمارک (۱۷۴۴-۱۸۲۹) کے مطابق جاندار اشیا نے اپنی زندگی میں حاصل کردہ صفات اپنی اگلی نسلوں کو منتقل کردیا۔ اس نے اس بات کی تائید کی کہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل اور جمع ہونے والی صفات جدید اجناس کے بننے کے عامل بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ جیراف بکری نما ہرن سے ترقی کرکے آیا۔ جب انھوں نے اونچے درختوں کے پتے کھانے کی کوشش کی تو ان کی گردن نسل درنسل درازتر ہوتی گئی۔

ڈارون نے بھی اس قسم کی مثال پیش کی ہے مثلاً وہ اپنی کتاب The Origine of Species (آغاز اجناس) میں لکھتا ہے کہ بعض ریچھ پانی میں اپنی غذا کی تلاش کی وجہ سے وقت کے ساتھ وھیل مچھلی میں بدل گئے۔ (۸)

تاہم گریگور مینڈیل (۱۸۲۲-۸۴) کے انکشاف کردہ قوانین وراثت اور بعد میں بیسویں صدی میں ترقی پانے والے علم نسلیات کی تصدیق نے اس فرضی قصے کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں کہ ایک جاندار کی زندگی میں حاصل کردہ صفات اس کی اگلی نسلوں میں منتقل ہو۔ اس طرح فطرتی انتخاب ارتقائی طریقہ کار کی طرح کسی کے کام کا نہ رہا۔

نیوڈارونزم اور میوٹیشن (تبدیلیاں) :

اپنے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کے لیے ڈارونسٹوں نے بیسویں صدی کی تیسری تہائی میں عام طور پر نیوڈارونزم کے نام سے مشہور "جدید ترکیبی نظریہ" پیش کیا۔ نیوڈارونزم نے میوٹیشن کا اضافہ کیا جو اشعاع، نقل کی خطا، قدرتی میوٹیشن کے ساتھ "مفید تبدیلیوں کے سبب" کے طور پر خارجی عوامل کی وجہ سے جاندار اجسام کے جینز میں پیدا ہونے والے بگاڑ ہیں۔ آج دنیا میں ارتقا کے لیے ماڈل کا کام دیتا نیوڈارونزم ہے۔ یہ نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس طریقہ کار کے نتیجے میں لاکھوں کروڑوں جاندار پیدا ہوئے جب کہ ان جانداروں کے بے شمار پیچیدہ اعضا (مثلاً کان، آنکھ، پھیپھڑے اور پر) میوٹیشن یعنی نسلیاتی بگاڑ کے شکار ہوگئے۔ مگر ایک ایسی کافی وشافی سائنسی حقیقت موجود ہے جو اس نظریے کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے۔ میوٹیشن کبھی بھی جانداروں کی ترقی کا سبب نہیں بنتے بلکہ اس کے برعکس ہمیشہ مضر ثابت ہوتے ہیں۔

یہ بہت ہی سادہ عامل کا حامل ہے۔ ڈی این اے کی ساخت کافی پیچیدہ ہے اور غیر ارادی عوامل ان کو محض ضرر ہی پہنچا سکتا ہے۔ امریکی عالم نسلیات بی جی رنگناتھن اس کی تشریح درج ذیل انداز میں کرتا ہے :

> اول تو اصل میوٹیشن فطرت میں شاذ ونادر ہیں۔ دوم یہ کہ اکثر میوٹیشن ضررناک ہوتے ہیں کیوں کہ بالارادہ واقع ہوتے ہیں بالمقابل جینز کی ساخت میں ان باترتیب تبدیلیوں کے ایک انتہائی منظم نظام میں کوئی بھی غیر ارادی تبدیلی بہتری کی بجائے ابتری کے لیے زیادہ موزوں ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک انتہائی منظم عمارت کو اگر زلزلہ ہلا دے تو اس عمارت کے ڈھانچے میں غیر ارادی تبدیلی واقع ہوگی جو پوری اغلبیت کے ساتھ کسی بھی حالت میں بہتری نہیں ہوگی۔(۹)

غیر حیران کن طور پر کسی بھی میوٹیشن کی مثال جو مفید ہو اور نسلیاتی اصول کے عامل بنتے ہوئے مشاہدہ کیا گیا ہو تو اسی طرح کا کوئی بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ تمام میوٹیشن ضرر رساں ثابت ہوئے ہیں۔ پہلے یہ سمجھا گیا تھا کہ "ارتقائی طریقہ کار" کے طور پر پیش کیے جانے والے میوٹیشن درحقیقت ایک نسلیاتی واقعہ ہے جو جانداروں کے لیے آسیب رساں ہے اور ان کو معذور بنا دیتا ہے۔ (میوٹیشن کا انسانوں پر عام ترین اثر کینسر ہے یقیناً ایک تباہ کن عمل کبھی ارتقائی عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف فطرتی انتخاب "خود بخود کچھ بھی نہیں کر سکتا" جیسا کہ ڈارون نے بھی اعتراف کیا ہے۔ پس کسی بھی ارتقائی عمل کا وجود نہیں ہے اور اس طرح "ارتقا" کے نام سے مشہور فرضی عمل کبھی درحقیقت واقع ہو سکتا ہے۔

حجریاتی ریکارڈ؛ درمیانی انواع کا کوئی نام ونشان نہیں :

یہ ایک واضح ترین دلیل ہے کہ نظریہ ارتقا کے تجویز کردہ منظرناموں کے حجریاتی ریکارڈ میں کچھ بھی آثار نہیں ملتے۔ اس نظریے کے مطابق ہر جاندار جنس اپنے اسلاف سے پیدا ہو کر آئی ہے۔ پہلے سے موجود جنس وقت گزرنے کے ساتھ کسی اور جاندار میں تبدیل ہوگئی اور تمام جاندار اس طرح وجود میں آئے ہیں۔ یعنی یہ تبدیلی لاکھوں سالوں پر محیط درجہ بدرجہ آگے چلتی رہی۔ اگر یہ

صورتحال ہوتو پھر بہت سے درمیانی اجناس وجود میں آئے اور تبدیلی کے اس طویل دور میں زندگی بسر کرتے رہے۔

مثال کے طور پر بعض آدھی مچھلی آدھے رینگنے والے جاندار ماضی میں گزر چکے ہوں گے جن میں مچھلی کی صفات کے ساتھ کچھ رینگنے والے جانداروں کی صفات حاصل کر چکے تھے یا اس طرح رینگنے والے پرندوں کی طرح کچھ جاندار گزرے ہوں گے جنھوں نے اپنے رینگنے والی صلاحیتوں کے ساتھ اُڑنے والے پرندوں کی صلاحیتیں حاصل کی ہوں؛ چوں کہ یہ اپنے عبوری دور میں ہوں گے تو ان کو معذور، ناقص اور عاجز جاندار ہونا چاہیے۔ارباب ارتقا کی نظر میں ماضی کے اندر موجود یہ فرضی مخلوق ''عبوری اجسام'' کہلاتی ہیں۔

اگر ایسے جانداروں کا حقیقتاً وجود ہوتا تو ان کی تعداد و تنوع لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ہوتی اس سے زیادہ مبہم بات یہ کہ حجریاتی ریکارڈز میں ان عجیب و غریب جانداروں کے آثار ضرور ہوتے۔(۱۰)

ڈارون کی اُمید کا خون ہوگیا:

انیسویں صدی کے نصف سے ارباب ارتقا کی یہ انتہائی کوشش رہی ہے کہ دنیا کے کسی کونے میں حجریات کے درمیان ایسے جانداروں کی تلاش جاری و ساری ہے مگر تا ہنوز ایسے عبوری اجسام کے انکشاف میں ناکامی کے سوا کچھ نہ ہاتھ آیا۔

ارباب ارتقا کی توقعات کے برعکس تمام تر حجریات دکھاتی ہیں کہ اس کرۂ ارض پر زندگی کا آغاز اچانک اور مکمل شکل وترکیب میں ہوا۔ایک مشہور برطانوی پیلیغو جسٹ ڈیریک وی اگیر اپنی ارتقا پسندی کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے :

> ایک ایسا نکتہ ابھر کر سامنے آتا ہے کہ اگر ہم تفصیل کے ساتھ حجریاتی ریکارڈ کا مطالعہ کریں، ترتیبوں یا جنسوں کے درجہ پر کیوں نہ ہو تو ہمیں بار بار یہ پتا چلتا ہے کہ درجہ وار ارتقا نہیں بلکہ ایک گروپ کی دوسری گروپ کے استحصال و ضیاع پر اچانک ابھار و نموداری۔(۱۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حجریاتی ریکارڈ میں تمام جاندار اجناس بغیر کسی درمیانی شکل و شباہت کے اپنی کامل شکل و صورت کے ساتھ اچانک پیدا ہوتے ہیں۔یہ ڈارون کے مفروضوں کے برعکس ہے۔اور یہ اس بات کی ایک قوی دلیل ہے کہ تمام جاندار پیدا کیے گئے ہیں۔ایک جاندار جنس کا اچانک اور ارتقائی اسلاف کے بغیر پوری تفصیل میں کمال کے ساتھ ظہور کی تشریح محض اس سے کی جاتی ہے کہ یہ پیدا کی گئی۔اس حقیقت کا اعتراف مشہور ارتقا پسند عالم حیاتیات دوگلس فوتو یہ نے بھی کیا ہے :

> جاندار اشیا کے مبدأ کی ممکنہ تشریح تخلیق اور ارتقا کے درمیان ختم ہو جاتی ہے۔جاندار اشیا کرۂ ارض پر اپنی کامل شکل و صورت کے ساتھ نمودار ہوئی یا ایسا نہیں ہوا۔اگر ایسا نہیں ہو تو وہ تعدیل و اصلاح کے کسی طریقہ کار کے ذریعہ پہلے سے موجودہ اجناس سے ضرور ہو کر آئے۔اگر وہ اپنی کامل شکل و صورت کے ساتھ نمودار ہوئے تو اس تخلیق کے پس پردہ کسی قدیر و حکیم ذات کا عمل دخل ضرور ہے۔(۱۲)

حجریات دکھاتے ہیں کہ کرۂ ارض پر جاندار اشیا اپنے پورے کمال و جمال کے ساتھ نمودار ہوئے۔پس ''اجناس کا مبدا'' برخلاف ڈارون کے مفروضے کے ارتقا نہیں بلکہ تخلیق ہے۔

انسانی ارتقا کا قصہ :

نظریہ ارتقا کے حامی جس موضوع کو زیادہ زیر بحث لاتے ہیں وہ مبدأ انسانی ہے۔ ڈارونسٹ کا دعویٰ یہ ہے کہ آج کا انسان بندر نما مخلوق سے ہو کر آیا ہے اس مبینہ ارتقائی مرحلے کے دوران جس کا سلسلہ چالیس سے پچاس لاکھ سال قبل شروع ہوتو جدید انسان اور اس کے اسلاف کے درمیان چند "عبوری اجسام" کے وجود کو فرض کیا گیا ہے اس مکمل طور پر خیالی منظر نامے کے مطابق چار بنیادی "انواع" کی تفصیل درج کی گئی ہے :

(۱) آسٹرالوپتھکس (۲) ہوموہیبلیس (۳) ہوموارکٹس (۴) ہوموسیپین

ارتقاپسند انسان کے پہلے بندر نما اسلاف کو آسٹرالوپتھکس کا نام دیتے ہیں جس کے معنی "جنوبی افریقہ کے بندر" کے ہیں۔ ان جانداروں کی حقیقت اس سے ماسوا کچھ نہیں کہ یہ ایک قدیم بندر کی جنس ہے جو ناپید ہو گئی۔ امریکہ اور برطانیہ کے دو عالمی شہرت یافتہ ماہرین تشریح لارڈ سولی ذکرمین اور پروفیسر چارلس آکسفورڈ کی آسٹرالوپتھکس کے مختلف نمونوں پر گہری تحقیق نے ثابت کر دیا کہ ان بندروں کا تعلق عام بندر جنس سے تھا جو ناپید ہو گئی۔ اور انسانوں سے ان کی کسی قسم کی مشابہت نہ تھی۔ (۱۳)

ارتقاپسند نے انسانی ارتقا کے اگلے مرحلے کو "ہومو" سے درجہ بندی کی ہے جس کا مطلب "انسان" ہے، ان کے دعویٰ کے مطابق ہوموسلسلے میں یہ جاندار اشیا آسٹرالوپتھکس سے زیادہ نمو اور ترقی یافتہ ہیں۔ ارتقاپسندوں نے ایک خیالی ارتقائی منصوبے کو وضع کیا ہے جس میں انھوں نے ان مخلوقات کے مختلف حجریات کو ایک خاص ترتیب میں منظم کیا ہے۔ یہ ایک فرضی منصوبہ ہے کیوں کہ یہ بات کبھی ثابت نہیں کی گئی کہ ان مختلف درجوں میں ارتقائی ربط موجود ہے۔ بیسویں صدی کے ایک اہم ترین ارتقاپسند ارنسٹ مایر نے اپنی کتاب One Long Argument میں بحث کی ہے کہ زندگی کے مبدأ یا ہوموسیپین جیسے تاریخی معمے بالخصوص کافی پیچیدہ ہیں اور اطمینان بخش حتمی تشریح سے عاری ہیں۔ (۱۴)

آسٹرالوپتھکس سے ہوموہیبلیس، ہوموارکٹس اور آخر کار ہوموسیپیس کی سلسلہ وار کڑی پر نظر ڈالتے ہوئے ارتقاپسند دعویٰ کرتے ہیں کہ ان اجناس میں سے ہر ایک دوسرے کا سلف ہے، تاہم ماہرین پالوحجریوں کے حالیہ انکشافات نے ثابت کر دیا کہ آسٹرالوپتھکس، ہوموہیبلیس اور ہوموارکٹس دنیا کے مختلف خطوں میں ایک ہی دور میں رہ رہے تھے۔ (۱۵)

مزید برآں ہوموارکٹس کی حیثیت سے درجہ بندی کی گئی انسانوں کا ایک خاص گروہ جدید دور تک زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ ہوموسیپئنس نینڈرتھالیس اور ہوموسیپیس (جدید انسان) ایک ہی خطے میں اکٹھے رہے ہیں۔ (۱۶)

ایسی صورتحال ظاہری طور پر اس دعویٰ کے بطلان کو ثابت کرتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے اسلاف ہیں۔ سٹیفن جائی جولڈ نے نظریہ ارتقا کے اس معمے کی یوں وضاحت بیان کی۔ اگرچہ وہ خود بیسویں صدی میں ارتقا کا ایک معروف حمایتی رہا ہے :

ہماری اس سیڑھی کا کیا بنے گا جب اس میں ایک ہی وقت میں اسی سلسلے کے تین ہومینڈ (اے-افریکانس، قوی آسٹرالوپتھکسائنس، اور ایچ ہیبلیس) موجود ہوں جن میں سے کوئی بھی بظاہر دوسرے ہو کر نہیں آیا۔ مزید برآں کرۂ

ارض پر زندگی کے دوران ان میں سے کوئی بھی ارتقائی عمل سے گزرنے کی کوئی نشانی دکھاتے ہیں۔(۱۷)

انسانی ارتقا کے منظرنامے پر ایک سرسری نظر ڈالیں جس کی تائید میڈیا اور درسی کتابوں میں یعنی محض پروپیگنڈوں کے ذریعے نمایاں کی گئیں "نیم بندر، نیم انسان" والی مخلوق کی چند مختلف تصاویر کی مدد سے کی جاتی ہے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی حقیقت سائنسی اساس سے عاری قصہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

انگلینڈ کا مشہور و معروف سائنس داں لارڈ سولی ذکرمین نے کئی سالوں تک اس موضوع پر اپنی تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا اور پندرہ سال تک آسٹرالوپتھکس کے حجریات کا مطالعہ کرتے ہوئے آخرکار اس نتیجہ پر پہنچا۔ اگرچہ وہ خود بھی ارتقا پسند تھا کہ بندر نما مخلوق سے لے کر انسان تک کوئی ایسا شجرۂ نسب موجود نہیں ہے۔

ذکرمین نے ایک دلچسپ "سائنس کا طیف النور" بھی بنایا جو ان دونوں ثبوتوں پر مبنی تھا جن کو وہ سائنسی سمجھتا اور اس طرح جن کو غیر سائنسی سمجھتا تھا ذکرمین کے طیف النور کے مطابق سائنس کے انتہائی سائنسی یعنی جو قوی دلائل و براہین پر مبنی ہے وہ علم کیمیا اور علم طبعیات ہیں۔ اس کے بعد حیاتیاتی علوم اور پھر معاشرتی علم کا درجہ آتا ہے۔ اس سپکٹرم کے ایک آخری کونہ پر جسے انتہائی غیر سائنسی سمجھا جاتا ہے وہ "غیر حسی ادراک" یعنی تبادل الخواطر والشعور اور چھٹا حس ہے اور آخرکار انسانی ارتقا ہے۔ ذکرمین اپنے دلائل کو درج ذیل انداز میں پیش کرتا ہے :

> پھر ہم منظور نظر حقیقت کی رجسٹر سے ان فرضی حیاتیاتی سائنس مثلاً غیر محسوس ادراک یا انسان کے حجریاتی تاریخ کے میدانوں میں اتر جاتے ہیں جہاں پر وفاداروں (ارتقا پسندوں) کے لیے کوئی بھی شے ممکن ہے اور جہاں ارتقا کا سرگرم عقیدتمند بعض اوقات کئی متضاد اشیا پر ایک ہی وقت میں عقیدہ رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔(۱۸)

انسانی ارتقا کی کہانی اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ محض اپنے نظریہ پر اندھا دھند عقیدہ رکھنے والے چند افراد کے ہاتھوں منکشف شدہ چند حجریات کی متعصبانہ تعبیر ہے۔

ڈارون کا فارمولہ :

ابھی تک ہم نے جتنے بھی فنی شواہد کا مطالعہ کیا ہے لیکن ایک نظر اس پر بھی دوڑائیں کہ ڈارونسٹ کس وہم کا شکار ہوئے ہیں جب کہ اس سادہ مثال کو بچے بھی سمجھ سکتے ہیں۔

نظریہ ارتقا کا اس بات پر اصرار ہے کہ زندگی اتفاقاً وجود میں آئی۔ اس دعویٰ کے مطابق بے جان اور بے شعور ذرات آپس میں مل کر خلیہ بنانے لگے، اور آگے چل کر ان سے دوسرے جاندار اشیا بشمول انسان کے پیدا ہوئے۔ آئیں اس کے بارے میں غور و خوض کریں۔ مثال کے طور پر کاربن، فاسفورس، نائٹروجن اور پوٹاشیم وغیرہ کو ملاتے ہیں تو نتیجے میں ایک ڈھیر بن جاتا ہے۔ بے شک آپ اس ڈھیر کو جس عمل سے بھی گزاریں تو کسی بھی حال میں یہ ایک جاندار کو نہیں بنا سکتے۔ اگر آپ چاہیں تو آئیں اس موضوع پر ایک تجربہ کا اہتمام کریں اور ارتقا پسندوں کی طرف اس کا مطالعہ کریں کہ وہ "ڈارونسٹ فارمولہ" کے نام پر

بغیر اعلان کر کے کیا کرتے ہیں۔

آئیں زندہ اشیا کے اندر موجود جتنے بھی ممکنہ مواد مثلاً فاسفورس، نائٹروجن، کاربن، آکسیجن، لوہا اور میگنیشیم وغیرہ کو ایک بیرل میں ڈالتے ہیں، پھر ان کو چاہیے کہ اس کے ساتھ کسی بھی ایسے مواد کا اضافہ کریں جو عام حالات میں موجود نہ ہوں لیکن وہ اس کی شمولیت کو ضروری سمجھیں۔ آئیں وہ اس محلول میں جتنے بھی امینو ایسڈ اور لحمیات کا اضافہ کریں جس کی بناوٹ کی اغلبیت ۱۰–۹۵۰ جتنا کہ ان کو پسند ہوں وہ چاہیں تو جتنے بھی درجہ حرارت اور رطوبت کو اس محلول پر اثر انداز کریں وہ ٹیکنالوجی کے نتیجے میں بنائے گئے کسی بھی آلے سے اس کو ہلائیں، ان بیرلوں کے پاس مشہور و معروف سائنس دانوں کو بٹھائیں پھر یہ ماہرین ان بیرلوں کے پاس کروروں، اربوں سالوں تک انتظار کریں وہ چاہے تو ہر قسم کے ان حالات کو استعمال میں لائیں جو وہ انسان کے وجود کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، خواہ وہ جو کچھ بھی کریں وہ ان بیرلوں سے انسان کو پیدا کر کے نکال نہیں سکتے۔ یہ ایک ایسے پروفیسر کا دعویٰ ہے جس نے اپنے بدن کے ایک حلیہ کو الیکٹران مائیکروسکوپ کے نتیجے میں مطالعہ کیا۔ یہ نہ زرافہ، شیر شہد کی مکھیاں، کناری گھوڑوں، ڈالفن مچھلی، گلاب، باغیچے، لیلی، لونگ، کیلے، سنگترے، سیب، کھجور، ٹماٹر، خربوزے، تربوزے، انجیر، زیتون، انگور، شفتالو، Peafowl، چکور، نیرنگ تتلیاں اور اس طرح لاکھوں دوسرے جاندار پیدا نہیں کر سکتے، اگر چہ وہ ان کے ایک حلیہ کو بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

مختصراً بے شعور ذرہ خود بخود دوسرے کے ساتھ مل کر حلیہ نہیں بن سکتا۔ ذرے فیصلے نہیں کر سکتے اور اس حلیہ کو پہلے دو میں تقسیم کر کے اور بعد میں دوسرے ارادے کر کے ایسے پروفیسروں کو جنم دیتے ہیں جنھوں نے پہلے پہل الیکٹران خوردبین ایجاد کر کے اپنے حلیوں کا معائنہ کرتے ہیں۔ مادہ ایک بے شعور، مردہ ڈھیر ہے اور محض مشیت الٰہی سے اس میں حیات پھونکی جا سکتی ہے۔ اس کے برخلاف نظریہ ارتقا مکمل طور پر دلیل سے عاری جھوٹ کا پلندہ ہے۔ ارتقاپسندوں کے دعویٰ پر ایک سرسری نظر ہی ان کی حقیقت کو آشکار کر دیتی ہے جیسا کہ مثال بالا میں گزرا۔

سماعت و بصارت کی فنی تفاصیل:

ایک دوسرا سوال جس کا نظریہ ارتقا جواب دینے سے قاصر ہے وہ کان اور آنکھ میں موجود حس کی بہترین صفت ہے۔

آنکھ کے موضوع کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے ہم کیسے دیکھتے ہیں کہ سوال کا مختصر جواب دیتے ہیں۔ کسی شے پر پڑنے والے اور پھر منعکس ہونے والی شعاعیں ہماری آنکھ کی پتلی سے ٹکراتی ہیں۔ یہاں پر روشنی کی شعاعیں حلیوں کے ذریعے برقی اشاروں میں تبدیل کی جاتی ہیں، اور دماغ کی پشت میں موجود معمولی داغ یعنی "مرکز بصارت" پہنچتی ہیں۔ یہ برقی اشارے بہت سے تعاملات کے بعد اس مرکز میں ایک تصویر کے طور پر ابھرتے ہیں۔ اس فنی پس منظر کو مدنظر رکھ کر کچھ غور و خوض کرتے ہیں۔

دماغ کو روشنی سے مجوز بنایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اندرونی حصہ مکمل طور پر تاریک ہے اور اس کے جائے وقوع پر کسی قسم کی روشنی کی رسائی نہیں، اس وجہ مرکز بصارت پر کبھی روشنی نہیں لگتی، اور آپ کے علم کے مطابق یہ تاریک ترین جگہ ہو گی، اس اتھاہ اندھیرے میں پوری روشن اور چمکیلی دنیا کا نظارہ کرتے ہیں۔

آنکھ میں بنی ہوئی تصویر اتنی واضح اور ممیز ہوتی ہے کہ بیسویں صدی کی ٹکنالوجی بھی ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ مثال کے طور پر آپ زیرِ نظر کتاب پر نگاہ دوڑائیں جن ہاتھوں کے ساتھ آپ پکڑ ٹکڑ کر رہے ہیں اور پھر سر اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھ لیں کیا آپ کو کبھی ایسا واضح اور ممیز تصویر کسی دوسری جگہ پر دیکھنے میں آئی ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی پیش رفتہ عالمی ٹی وی پر وڈیو سر بھی کبھی اس طرح کی واضح تصویر پیش نہیں کر سکتا۔ یہ ایک سہ رخی، رنگین اور انتہائی واضح تصویر ہے۔ سو سال سے زیادہ مدت میں ہزاروں انجینئر اس واضح پن کے حصول کے درپے ہیں اس مقصد کے لیے فیکٹریوں، بڑی جگہوں کا تعین کیا گیا۔ بہت سی تحقیقات کی گئیں اور اس مقصد کے لیے بہت سے منصوبے اور ڈائزائین وضع کیے گئے۔ ایک بار پھر ٹی وی سکرین کی طرف دیکھیں اور اپنے ہاتھ میں موجود کتاب کی طرف آپ دونوں کے لیے کئی تصاویر کے واضح پن اور امتیاز میں بہت بڑا فرق محسوس کریں گے۔ مزید برآں ٹیلی ویژن سکرین محض دور خا تصاویر پیش کرتی ہے جب کہ اپنی آنکھ کی مدد سے آپ سہ رخے تصویر اپنی گہرائی کے ساتھ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ کئی سالوں تک ہزاروں انجینئروں نے سہ رخی تصویر والی ٹی وی بنانے اور آنکھ کی خصوصیت بصارت کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہاں انھوں نے سہ رخی تصویر والی ٹی وی تو بنا دی لیکن اس کو آپ خصوصی سہ رخے عینکوں کے لگانے کے بغیر نہیں دیکھ سکتے۔ مزید برآں یہ محض مصنوعی سہ رخی کی ہے۔ پس منظر کافی مدھم اور ماند ہوتی ہے اور پیش منظر کاغذ کی بنائی ہوئی لگتی ہے۔ آنکھ کی طرف کبھی بھی واضح اور ممیز تصویر بنانے میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکا ہے، کیمرہ اور ٹیلی ویژن دونوں میں تصویر کی کوالٹی ضائع ہونے لگتی ہے۔

ارتقاپسندوں کا دعویٰ ہے کہ اس واضح اور شفاف تصویر کو بنانے کا طریقہ کار اتفاقاً وجود میں آیا ہے اگر کوئی آپ وے یہ کہہ دے کہ آپ کے کمرے میں موجود ٹی وی اتفاقاً بن گئی ہے یعنی اس کے تمام ذرات آپس میں خود بخود ملے، اور اس طرح یہ تصویر پیش کرنے والا آلہ بنا تو آپ کیا سوچیں گے جو کام ہزاروں لاکھوں انسان نہیں کر سکتے وہ ذرات کہاں کر سکتے ہیں۔

اگر آنکھ سے کئی گنا فرسودہ تصویر بنانے والے آلے کو اتفاقاً نہیں بنایا جا سکتا تو یہ بات انتہائی یقینی ہے کہ آنکھ اور اس کے ذریعے بننے والی تصویر اتفاقاً نہیں بن سکتے۔ اس صورت حال کا اطلاق کان پر بھی ہوتا ہے۔ خارجی کان آنے والی آواز کو پکڑ لیتا اور اس کو درمیانی کان کی طرف لے جاتی ہے۔ درمیانی کان آواز کے ارتعاش کو قوی تر بنا کر بھیجتا ہے اب اندازہ ان ارتعاشات کو دماغ کی طرف دھکیلتا ہے اور برقی اشاروں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ آنکھ کی طرح سماعت بھی دماغ کے ایک حصے پر آ کر رکتی ہے۔

آنکھ کی صورت حال کان کے لیے بھی درست ہے۔ روشنی کی طرح آوازوں سے بھی کان مجوز ہوتا ہے۔ یہاں پر کوئی

آواز مستقیماً نہیں پہنچتی۔ اس لیے خواہ باہر کتنی ہی شوروغوغا ہو لیکن دماغ کا اندرونی حصہ مکمل طور پر خاموش ہوتی ہے اگر چہ دماغ میں تیز ترین آوازوں کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے مکمل خاموش کان میں آپ ان نغموں کو سن سکتے ہیں اور بھیڑ بھاڑ والی جگہوں پر ہر قسم کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ تاہم محض اسی لمحے ایک دقیق آلے کے ذریعہ آواز کے درجے کی پیمانہ بندی کی جا سکتی ہے لیکن مکمل سناٹا محض وہاں پر چھایا ہوا ملے گا۔

جیسا کہ تصور کا حال ہے کئی دہائیوں کی مدت پر محیط کوششیں اس مقصد کے حصول میں صرف ہوئیں کہ اصلی آواز کے مشابہ آواز کو پیدا کیا جائے۔ ان کوششوں کے نتیجے میں آواز ریکارڈ کرنے والے آئے اعلیٰ اور صاف سسٹم اور حساس آواز والے نظام ہیں۔ ان سب فنی ترقیوں اور ہزاروں انجینئروں اور ماہرین کی مسلسل کوششوں کے باوجود کوئی ایسی آواز پیدا نہیں کی گئی جو کان سے حاصل کردہ آواز کی طرح صاف اور واضح ہو۔ ان انتہائی اعلیٰ ترین صاف اور واضح آواز والے نظاموں جو موسیقی کے میدان میں بڑے بڑے کارخانوں میں تیار کیے جاتے ہیں۔ اگر چہ ان آلات میں جب آواز ریکارڈ کی جاتی ہے تو اس کا کچھ حصہ غائب ہو جاتا ہے جب آپ ایک ہائے فائے سسٹم کو چلاتے ہیں تو موسیقی کی آواز سے پہلے ایک سیٹی جیسی آواز شروع ہو جاتی ہے تاہم جو آوازیں انسانی بدنی ٹیکنالوجی کی پیداوار ہے، وہ انتہائی صاف اور واضح ہیں انسانی کان کبھی بھی ایسی آواز کو محسوس نہیں کرتا جس کے ساتھ سیٹی جیسی آواز یا ہائے فائے نظام کی طرح کا ایک خلا بلکہ اس کی بجائے یہ آواز کو اپنی اصلی صورت میں محسوس کرتا ہے بالکل واضح اور صاف حالت میں یہ انسان کی پیدائش سے لے کر اب تک یہ حال ہی رہا ہے۔

ابھی تک انسانی کے بنائے ہوئے بصری اور سمعی آلات کان اور آنکھ کی حساس معلومات کو اکٹھے کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں۔ تاہم جہاں تک سمع و بصر کا تعلق ہے تو اس کے پس پشت ایک عظیم تر حقیقت موجود ہے دماغ کے اندر قوت سماعت و بصارت کا شعور کس کا مرہونِ منت ہے، کون دماغ کے اندر اس دنیا کے ہلچل کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ نغمات اور چہچہاتے پرندوں اور گلاب کی خوشبو کو سونگھتا ہے۔ انسان کی آنکھ، کان، ناک سے آنے والے محرکات برقی کیمیائی، عصبی محرکات بن کر دماغ تک سفر کرتے ہیں۔ علم حیاتیات، علم وظائف الاعضا اور حیاتیاتی کیمیا کی کتابوں میں آپ کا بہت سی ایسی تفصیلات سے واسطہ پڑتا ہے کہ کس طرح دماغ میں یہ تصویر بن جاتی ہے تاہم آپ کا اس حقیقت سے کبھی واسطہ نہیں پڑے گا کہ کون ان برقی کیمیائی عصبی محرکات کو تصاویر، آواز، خوشبو، اور حسی واقعات کے طور پر دماغ میں پہنچاتا ہے؟

دماغ کے اندر ایک شعور موجود ہے جو آنکھ، کان اور ناک کے احساس کے بغیر اس کو محسوس کرتا ہے۔ یہ شعور کس کے قبضہ وقدرت میں ہے؟ یقیناً اس کا تعلق اعصاب، چربی دار تہوں اور دماغ ہوران بنے ہوئے سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈارونسٹ اور مادہ پرست جو ہر شے کو مادے پر مشتمل سمجھتے ہیں ان سوالات کے جوابات نہیں دے سکتے۔

کیوں کہ یہی شعور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ روح ہے جس کو دیکھنے کے لیے آنکھ کی سننے کے لیے کان کی ضرورت نہیں مزید برآں اس کو سوچنے کے لیے دماغ کی ضرورت نہیں۔

جو بھی اس واضح اور سائنسی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے اس کو ذات باری تعالیٰ کے بارے میں سوچنا، ڈرنا اور اس کی پناہ مانگنا چاہیے کیوں کہ وہی ذات پوری کائنات کو چند مکعب میٹر کے تاریک ترین جگہ میں سہ جانبہ، رنگین، سایہ دار اور روشن اور جھلملاتے انداز میں سما دیتا ہے۔

مادہ پرستانہ عقیدہ :

اب تک ہماری فراہم کردہ معلومات سے معلوم ہوتا ہے کہ ارتقا کا نظریہ سائنسی انکشافات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ حیات کے مبدا کی بابت اس نظریہ کا دعویٰ سائنسی شہادت سے متضاد ہے، اور جس ارتقائی عمل کو یہ تجویز کرتے ہیں اس میں کسی قسم کی ارتقائی قوت نہیں اور تجربات کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلوبہ درمیانی اجسام واشکال کا کوئی نام ونشان نہیں رہا ہے تو اس کا مطلب یقینی طور پر یہ ہے کہ نظریہ ارتقا کو غیر سائنسی نظریہ سمجھ کر اور نظر انداز کر کے سر طاق رکھ دینا چاہیے اور اس کا حال بھی ''زمین کائنات کا مرکز ہے'' والے ماڈل کی طرح تاریخ کے صفحات سے نکال کر سائنس کے ایجنڈے سے نکال کر پھینک دینا چاہیے۔

تاہم سائنس کے ایجنڈے پر نظریہ ارتقا ٹھونس دیا گیا ہے، اس کے خلاف ہونے والی تنقید کو بعض افراد ''سائنس پر یلغار'' سمجھتے ہیں ایسا کیوں ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ یہ نظریہ بعض حلقوں کے لیے ناقابل تغیر اور محکم عقیدہ بن گیا ہے۔ یہ حلقے اندھادھند طور پر مادہ پرستانہ فلسفے کی تقلید کرتے ہیں اور ڈارونزم کو اس لیے قبول کرتے ہیں کہ یہ فطرت کے اعمال کی تشریح پیش کرنے کی واحد مادہ پرستانہ تعبیر ہے۔

لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ گاہے گاہے اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ایک معروف ماہر جینیٹکس اور نظریہ ارتقا کا حامی ہارورڈ یونیورسٹی رچرڈ ڈی لیون ٹن اعتراف کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مادہ پرست اور بعد میں سائنس داں ہے۔

حقیقت حال یہ نہیں کہ سائنس کے شعبے اور طریقہ ہائے کار ہمیں اس پر مجبور کرتے ہیں کہ ظاہری دنیا کی مادہ پرستانہ تعبیر کو قبول کریں بلکہ اس کے برعکس ہمیں وہ مادی وجوہات سے ذہنی یک جہتی ہماری مجبوری کی باعث بنتی ہے تا کہ اس کو تحقیق کا آلۂ کار اور مادی تعبیرات پیدا کرنے کے لیے نظریات کا ایک مجموعہ پیدا کر دیتا ہے، اگر چہ وہ حقیقت کا کتنا ہی متضاد اور اپنے ظہور سے ماورا ہی کیوں نہ ہو۔ مزید برآں وہ مادہ پرستی کو مطلق جانتے ہیں تو ہم وہاں پر دخل ربانی کو جگہ نہیں دے سکتے۔(۱۹)

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ڈارونزم کو مادہ پرستی سے اپنے تعلق کو جوڑے رکھنے کی خاطر زندہ رکھا گیا عقیدہ ہے۔ اس لیے یہ اس بات کے ثبوت کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ بے جان، لاشعور مادے نے حیات کو جنم دیا۔ ساتھ ہی اس بات پر بھی اصرار کیا جاتا ہے کہ لاکھوں کروڑوں مختلف جاندار اجناس (مثلاً پرندے، مچھلی، جیراف، شیر، کیڑے مکوڑے، درخت، پھول،

ماہی وفیل، اور انسان) مادے مثلاً برستی بارش، چمکنے والی بجلیاں وغیرہ کے بے جان مادوں کے آپس میں تعامل کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ یہ سائنس اور عقل سے متضاد نظریہ ہے اور "دخل ربانی" کو بالائے طاق رکھنے کے لیے ڈارونسٹ اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

ہر وہ شخص جو زندگی کے آغاز کو تعصب کی نظر سے نہیں دیکھتا تو اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے گی: مخلوقات کی پیدائش اس خالق حقیقی کا شاہ کار ہے جو قوت و حکمت سے مالامال اور علم و دانائی کا سر چشمہ ہے؛ اور یہ کوئی اور نہیں' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے جس نے پوری کائنات کو نیست سے ہست کیا، اس کو بہترین شکل وصورت دی اور تمام جانداروں کو حسین وجمیل بنایا۔

نظریہ ارتقا، دنیا کا ایک انتہائی طاقتور جادو :

تعصب سے بالا اور کسی خاص نظریے سے مبرا ہو کر جو عقل و منطق کا استعمال ہے تو اس پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ نظریہ ارتقا پر عقیدہ رکھنا بالکل ہی محال ہے کیوں کہ وہ سائنسی علم اور تہذیب سے عاری معاشروں کے اوہام کو اذہان پر طاری کر دیتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے نظریہ ارتقا پر عقیدہ رکھنے والے سوچتے ہیں کہ ایک بڑے حوض میں ڈالے گئے چند ایٹم اور مالیکیول سوچنے والا مادہ دلائل سے بحث کرنے والا پروفیسر اور یونیورسٹی سٹوڈنٹس، مثلاً آئین سٹائن اور گلیلیو جیسے سائنس داں ہمفرے بوگارٹ، فرانک سناترا اور لوسیانو پاوروتی جیسے فنکاروں، آہو، لیموں کی درختوں اور خوش آواز پرندوں جیسی خوبصورت مخلوق کو پیدا کر سکتے ہیں۔ مزید برآں ان فضولیات پر عقیدہ رکھنے والے پروفیسر اور سائنس داں تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد میں، اس وجہ سے اس نظریہ کے لیے موزوں ترین الفاظ یہی ہوں گے: تاریخ کا قوی ترین جادو" کسی بھی دوسرے عقیدے کا نظریے نے انسانوں کی قوت استدلال کو ایسا دھچکا نہیں پہنچایا جس نے ان کو ذہنی اور منطقی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا اور ان سے حقیقت کو ایسے انداز میں چھپائے رکھا جیسے کہ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ یہ افریقہ کے بعض حصوں میں لاٹھی مقدس کی عبادت سبا کے لوگوں کی شمس پرستی، حضرت ابراہیم -علیہ السلام- کے قبیلے کے چند لوگوں کا اپنے ہاتھوں بنائے گئے بتوں کی عبادت اور حضرت موسیٰ کی قوم کے بچھڑے زرین کی عبادت سے بدتر اور نا قابل یقین اندھا پن ہے۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دلیل کے اس نقص کی طرف اشارہ کیا ہے، اس نے ہم پر منکشف کیا ہے کہ بعض لوگوں کے عقل پر پردے ہوں گے اور حقیقت کا مشاہدہ کرنے سے قاصر ہوں گے اور ان میں بعض آیات درج ذیل ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ٥ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥ (سورۃ البقرہ:۲/۶ تا ۷)

بے شک جنھوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں

گے۔ اللہ نے (ان کے اپنے انتخاب کے نتیجے میں) ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑ گیا) ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (سورۂ اعراف:۱۷۹/۷)

وہ دل (ودماغ) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھ نہیں سکتے اور وہ آنکھیں رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھ نہیں سکتے اور وہ کان (بھی) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سن نہیں سکتے، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ گمراہ، وہی لوگ ہی غافل ہیں۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝ (سورۂ حجر:۱۵/۱۴تا۱۵)

اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ (بھی) کھول دیں (اور ان کے لیے یہ بھی ممکن بنادیں کہ) وہ سارا دن اس میں (سے) اوپر چڑھتے رہیں۔ (تب بھی) یہ لوگ یقیناً (یہ) کہیں گے کہ ہماری آنکھیں (کسی حیلہ وفریب کے ذریعے) باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کردیا گیا ہے۔

الفاظ اس کے بیان سے قاصر ہیں کہ یہ کتنی حیران کن بات ہے کہ اس جادو نے معاشرے کے ایک حلقے کو اپنا متبوع و مسحور بنادیا ہے لوگوں کو حقیقت سے دور رکھا اور کوئی ڈیڑھ صدی تک یہ جادو چلتا رہا۔ یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ چند افراد ایک غیر ممکن منظرنامے پر عقیدہ رکھ سکتے ہیں اور حماقت آمیز اور پراز منطق دعوؤں پر یقین کرسکتے ہیں تاہم اس کی ممکن وضاحت لفظ "جادو" کے ماسوا کچھ نہیں۔ کہ تمام دنیا کے لوگوں کا یہ عقیدہ کہ بے شعور اور بے جان ذرات نے اچانک آپس میں ملنے کا فیصلہ کیا اور نظم وضبط، شعور اور دلیل کے تقاضات سے پاک نظام کے ساتھ چلنے والی کائنات بنائی۔ کرۂ زمین نامی سیارہ اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ جو زندگی کے لیے مکمل طور پر مناسب ہے اور بے شمار پیچیدہ نظام کے مجموعے سے بکھرے جاندار اشیا نمودار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ حقیقت میں حضرت موسیٰ –علیہ السلام– اور فرعون کی کہانی کو بیان کرکے ظاہری کرتا ہے کہ ملحدانہ فلسفوں کے پجاری جادو سے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں جب فرعون کو دین حق کی دعوت دی گئی تو اس نے حضرت موسیٰ کو اپنے جادوگروں سے مقابلہ کا چیلنج دے دیا، جب موسیٰ –علیہ السلام– نے اس چیلنج کو قبول کیا تو آپ نے ان جادوگروں سے اپنے جادو دکھانے کو کہا۔ آیت پاک میں ہے:

قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ۝ (سورۂ اعراف:۱۱۶/۷)

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: تم ہی (پہلے) ڈال دو پھر جب انھوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر) ڈالا (تو انھوں

نے)لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا اور انھیں ڈرادیا اور وہ زبردست جادو(سامنے) لے آئے۔

جیسا کہ ہم نے مشاہدہ کیا کہ فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ اور آپ کے پیروکاروں کے سوا ہر ایک کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا چکے تھے، تاہم آپ کی شہادت نے ان سارے طلسمات کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیے یا "ان کے بنائے ہوئے سانپوں کو ہڑپ کر ڈالا" ۔ اوراس آیت میں ہے :

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰیٓ اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ٥ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (سورۂ اعراف: ۱۱۸تا۱۱۷/۷)

اورہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ (اب) آپ اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیں تو وہ فوراً ان چیزوں کو نگلنے لگا جو انھوں نے فریب کاری سے وضع کر رکھی تھیں ۔ پس حق ثابت ہوگیا اور جو کچھ وہ کررہے تھے (سب) باطل ہوگیا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے اور انھوں نے جو کچھ دیکھا وہ محض فریب نظر تھا تو فرعون کے جادوگروں کی قدر و قیمت خاک میں مل گئی ۔آج بھی اس طرح کے جادو کے زیر اثر افراد ان بے بنیاد دعوؤں پر اپنے سائنسی لبادوں کے تحت یقین رکھتے ہیں ۔اوران کے دفاع کے لیے ساری عمر جی توڑ کوشش کرتے ہیں ۔اگر وہ ان اوہام پرستانہ عقائد کو ترک نہ کریں تو مکمل حقیقت کے آشکار ہونے اور اس جادو کے توڑ سے ان کو بھی ذلت و ہزیمت اٹھانی پڑے گی۔ درحقیقت عالمی شہرت یافتہ برطانوی مصنف اور فلاسفر مالکولم مگیر تیج جو ساٹھ سال تک ارتقا کے نظریے کی حمایت کرنے والا ملحد تھا لیکن بالآخر اس کو حقیقت کا علم و احساس ہوگیا تو اس نے نظریہ ارتقا کو اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے جو خود کو مستقبل قریب میں ان الفاظ سے متصف پائے گا :

مجھے اس بات کا یقین ہے کہ نظریہ ارتقا کو جس حد تک وسعت دی گئی ہے، مستقبل میں تاریخ کی کتابوں میں عظیم ترین لطیفہ بن کر رہے گا ۔وقت ثابت کرے گا کہ اس انتہائی کمزور اور مشکوک نظریے کو نا قابل یقین وثوق کے ساتھ قبول کیا گیا تھا ۔(۴۰)

مستقبل بعید نہیں ہے اس کے برعکس لوگوں پر آشکار ہوجائے گا کہ "اتفاق" کوئی خدا نہیں ہے اور نظریہ ارتقا کو بدترین فریب اور دنیا کا خوفناک جادو تصور کیا جائے گا ۔یہ جادو پہلے ہی سے بڑی تیزی کے ساتھ تمام دنیا کے لوگوں کے کندھوں سے اُتر رہا ہے اس کی حقیقت پر یقین کرنے والے بہت سے افراد حیران و پریشان ہیں کہ آخر انھوں نے اس کو قبول کس طرح اور کیوں کیا تھا۔

قَالُوْا سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ٥ (سورۂ بقرہ: ۳۲/۲)

بولے: تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بے شک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہے۔

حوالے

Notes

۱: سڈنی فوکس، کلاس ڈوس Molecular Evolution and The Origin of Life (مالی کیلر ارتقا اور مبدائے حیات) ڈبلیو ایچ فری مین اینڈ کمپنی، سین فرانسسکو ۱۹۷۲ء صفحہ:۴۔

۲: الیگزینڈرا فسٹ۔ اوپرن Origin of Life، (مبدائے زندگی) ڈور پبلیکیشنز، نیو یارک ۱۹۳۶ء-۱۹۵۳ء (طبع ثانی) صفحہ:۱۹۶۔

۳: "New Evidence on Evolution of Early Atmosphere and Life" (ابتدائی ماحول اور زندگی کے ارتقا پر نئی شہادت) بولیٹن آف امیریکن میٹریولوجیکل سوسائٹی، جلد ۶۳، نومبر ۱۹۸۲ء صفحہ:۱۳۲۸تا۱۳۳۰۔

۴: اسٹینلی میلر، Molecular Evolution and The Origin of Life:Current Status of the Prebiotic Synthesis of Small Molecules, 1986 (مالی کیولر ارتقا اور مبدائے حیات، چھوٹے مالیکیولز کا حیاتیاتی تجزیے سے پہلے کی موجودہ حالت) صفحہ:۷۔

۵: جیفری بیڈا، ارتھ، فروری ۱۹۹۸ء صفحہ:۴۰۔

۶: لیسلائی ای۔ اورگل، "The Origin of Life on Earth" (زمین کے اوپر مبدائے حیات) سائنٹفک امیریکن، شمارہ ۲۷۱، اکتوبر ۱۹۹۴ء صفحہ:۷۸۔

۷: چارلس ڈارون، The Origin of Species by Means of Natural Selection (فطرت کے انتخاب کے وسیلے سے اجناس کا مبدا) دی موڈرن لائبریری، نیو یارک، صفحہ:۱۲۷۔

۸: چارلس ڈارون، The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition (مبدائے اجناس، پہلی اشاعت کی نقل) ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۴ء صفحہ:۱۸۴۔

۹: بی۔ جی۔ رنگان تھن، Origins?, Pennsylvania: The Banner of Truth (مبدا، پنسلوینیا، دی بینر آف ٹروتھ) ٹرسٹ، ۱۹۸۸ء صفحہ ۷۔

۱۰: چارلس ڈارون، The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition (مبدائے اجناس، پہلی اشاعت کی نقل) ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۴ء صفحہ:۱۷۹۔

۱۱: ڈیرک اے۔ اگر "The Nature of the Fossil Record" (تجرباتی دستاویز کی طبیعت) پروسیڈنگ آف دی برٹش جیولوجیکل ایسوسی ایشن، شمارہ:۸۷-۱۹۷۶ء صفحہ:۱۳۳۔

۱۲: ڈوگلس جے۔ Futuyma, Science on Trial (آزمائشی سائنس) پنتھیون بکس، نیو یارک، ۱۹۸۳ء، صفحہ: ۱۹۷۔

۱۳: سولی زوکرمین، Beyond The Ivory Tower (موتی والے برج کے ماورا) ٹوپلنگر پبلیکیشنز، نیو یارک، ۱۹۷۰ء، صفحہ: ۷۵-۱۴؛ چارلس اے۔ اوکسنارڈ، "The Place of Australopithecines in Human Evolution: Grounds for Doubt" (انسانی ارتقا میں اسٹرالوپتھی سین کا مقام، اور شک کے امکانات) نیچر، شمارہ: ۲۵۸، صفحہ: ۳۸۹۔

۱۴: "Could science be brought to an end by scientists' belief that they have final answers or by society's reluctance to pay the bills?" (کیا سائنس اپنے نقطۂ کمال کو چھو سکتا ہے۔ سائنس دانوں کے اس نظریے کہ تمام سوالات کا حتمی جواب ان کو ملا ہے، یا بل ادا کرنے سے معاشرے کی جھجک؟) سائنٹفک امیریکن، دسمبر ۱۹۹۲ء، صفحہ: ۲۰۔

۱۵: الن والکر، سائنس، شمارہ: ۲۰۷، ۷ مارچ ۱۹۸۰ء، صفحہ: ۱۱۰۳؛ اے۔ جے۔ کیلسو، فیزیکل انتھروپولوجی، طبع اول، جے۔ بی۔ لیپن کوٹ کو۔ نیو یارک، ۱۹۷۰ء، صفحہ: ۲۲۱؛ ایم۔ ڈی۔ لیکی، اولڈووائی جورج، شمارہ: ۳، کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۱ء، صفحہ: ۲۷۲۔

۱۶: جیفرے کلوگر، "Not So Extinct After All: The Primitive Homo Erectus May Have Survived Long Enough To Coexist With Modern Humans" (مکمل طور پر ابھی غائب نہیں ہوا: اس کا امکان ہے کہ فرسودہ ہوموارکٹس بہت دیر تک باقی رہ چکا ہوتا کہ جدید انسانوں کے ساتھ باہمی زندگی گزار سکے) ٹائم، ۲۳، دسمبر ۱۹۹۶ء۔

۱۷: ایس۔ جے۔ گاؤلڈ، Natural History (فطری تاریخ) شمارہ: ۸۵، ۱۹۷۶ء، صفحہ: ۳۰۔

۱۸: سولی زوکرمین، Beyond The Ivory Tower (موتی والے برج کے ورے) صفحہ: ۱۹۔

۱۹: ریچرڈ لیوونٹن، "The Demon-Haunted World," (ابلیس زدہ دنیا) دی نیو یارک ریویو آف بکس، ۹ جنوری ۱۹۹۷ء، صفحہ: ۲۸۔

۲۰: میلکوم موگیرج، The End of Christendom, Grand Rapids: Eerdmans (کرسٹنڈم کا خاتمہ، گرینڈ ریپڈز، اردھمینز) ۱۹۸۰ء، صفحہ: ۴۳۔